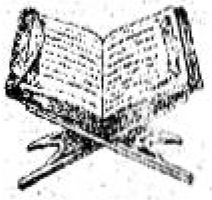

قرآنی نظام ربوبیت کا پیامبر

ہفتہ وار

طلوع اسلام

کراچی

جلد نمبر ۸
شمارہ ۴۸

کراچی ۔ ہفتہ ۔ ۲۶ نومبر ۱۹۵۵ء

قیمت چھ آنہ
سالانہ پندرہ روپے

قرآن نے کیا کہا ؟

موجودہ (غیر قرآنی) معاشرہ میں ہر فرد اپنی اپنی فکر میں منہمک دکھائی دیتا ہے ۔ ہر شخص کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ اپنے لئے اور اپنی اولاد کے لئے سمیٹ لے ۔ یہ اس لئے کہ ہر شخص یہ کہتا ہے کہ میں اور ہوں اور دوسرے انسان اور ہیں ۔ مجھے اپنی اور اپنے متعلقین کی فکر کرنی چاہئے ۔ لیکن قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ تمہارا یہ خیال صحیح نہیں ۔ تمام نوع انسان ایک ہی درخت کی شاخیں اور ایک ہی سمندر کے قطرے ہیں ۔ ان سب کی پیدائش نفس واحد سے ہوئی ہے ۔ هوالذی خلقکم من نفس واحدۃ (۷/۱۸۹) ۔ جب تمام انسان اصل کے اعتبار سے ایک ہیں تو پھر ان کی زندگی ۔ نشوونما ۔ اٹھان ۔ سب ایک فرد کی طرح ہونی چاہئے ۔ وما خلقکم ولا بعثکم الا کنفس واحدۃ (۳۱/۲۸) ۔ یہ مفاد پرست گروہ کی ہوسنا کی ہے جس نے انسانوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے ۔ وحی کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح نوع انسان اپنی اصل کے اعتبار سے ایک ہے اسی طرح یہ اپنے معاشرے میں بھی ایک برادری اور ایک امت کی حیثیت سے رہے ۔ کان الناس امۃ واحدۃ (۱۰/۱۹ ۔ ۲/۲۱۳) ۔ نوع انسان شروع میں بھی ایک ہی امت تھی اور قرآنی نظام کا مقصود یہ ہے کہ انہیں پھر ایک ہی امت بنا دیا جائے ۔

طلوع اسلام کا مسلک اور مقصد

ہمارا مسلک یہ ہے کہ ....

۱ [illegible]

۲ [illegible]

۳ [illegible]

۴ [illegible]

۵ [illegible]

۶ [illegible]

۷ [illegible]

۸ [illegible]

ہمارا مقصد یہ ہے کہ ....

[illegible]

اگر آپ طلوع اسلام کے اس مسلک اور مقصد سے متفق ہیں تو اس پیغام کو عام کرنے میں طلوع اسلام کا ساتھ دیجئے

اس شمارے میں

★ اسلامی دستور کی ایک اہم شق ★ جسم کی پرورش ★ بعد از خرابی بسیار ★ جوش ملیح آبادی ★ سخن شناس نئی
★ سلطان کی واپسی ★ غیر ملکی جاسوس ★ تاریخی شواہد ★ مجلس اقبال ★ حیات جاوید
★ ہندوستان کی نئی صوبائی حد بندیاں ★ اندرون ہند ★ حقائق و عبر ★ عالم اسلامی ★ بین الاقوامی جائزہ

As. -/6/-

انسان نے کیا سوچا

جس کتاب کا ایک برس سے انتظار تھا
بالآخر وہ چھپ گئی

یہ ایک عجیب و غریب کتاب ہے جس کا صحیح اندازہ اسے پڑھنے ہی سے لگ سکیگا۔

یہ ظاہر ہے کہ اگر زندگی کے اہم مسائل کا حل تنہا عقل انسانی پیش کر سکتی ہے تو پھر انسان کو وحی کی ضرورت نہیں رہتی۔ لہذہ اس کے لئے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ زندگی کے اہم مسائل کیا ہیں اور عقل انسانی ان کا حل دریافت کر سکی ہے یا نہیں؟ آپ اس کا جواب نفی یا اثبات میں نہیں دے سکتے جب تک آپ کو یہ معلوم نہ ہو کہ ان مسائل کے متعلق انسانی عقل و فکر نے آج تک کیا کہا ہے؟ لیکن ظاہر ہے کہ یہ مرحلہ بہت طول طویل ہے۔ انسان ہزاروں سال سے ان مسائل کے متعلق سوچتا چلا آرہا ہے۔ جب تک یہ سب کچھ ہمارے سامنے نہ آجائے، ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ عقل انسانی صحیح حل پیش کر سکی ہے یا نہیں۔

افلاطون سے لیکر اسوقت تک کے ائمہ فکر نے ان مسائل کے متعلق جو کچھ سوچا ہے اس کتاب میں وہ سب ایک مربوط اور دلکش انداز میں یک جا سامنے آجاتا ہے۔ اس میں سینکڑوں کتابوں کے اقتسابات دئے گئے ہیں۔ اردو تو ایک طرف ایشیاء کی کسی زبان میں بھی ایسی کتاب آپ کو نہیں ملیگی۔

یہ کتاب مختلف علوم و فنون سے متعلق محترم پرویز صاحب کے کم و بیش بیس سال کے مطالعہ کا ما حصل ہے۔ اس سے ان کے تبحر علمی اور وسعت معلومات کا بھی اندازہ ہو سکتا ہے۔ اور اس امر کا بھی کہ وہ کن دشوار گزار وادیوں سے گزر کر قرآن تک پہنچے ہیں۔

آئندہ اشاعت میں اس کی مزید تفاصیل پیش کی جائینگی۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام - پوسٹ بکس نمبر ۷۳۱۳ - کراچی - ۳

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ہفتہ وار

طلوع اسلام

جلد ۸	ہفتہ ۲۶ نومبر ۱۹۵۵ء	نمبر ۴۳

اسلامی دستور کی ایک اہم شق

آپ آئے دن اخبارات میں اس قسم کی خبریں پڑھتے رہتے ہیں:۔

(۱) کراچی میں ایک نوجوان نے ریل کے نیچے آکر خودکشی کرلی۔ اس کی جیب سے ایک خط نکلا جس میں اس نے لکھا تھا کہ میں تین ماہ سے بیکار تھا۔ میں نے صبح شام مسلسل کوشش کی کہ مجھے کہیں کوئی کام مل جائے لیکن ہر طرف سے ناکام رہا۔ میرے پاس نہ رہنے کے لئے جگہ ہے۔ نہ اوڑھنے کا کپڑا۔ اب چار روز سے مسلسل فاقے سے تھا۔ ان حالات میں میرے لئے اس کے سوا چارہ نہیں کہ میں اپنی زندگی ختم کرلوں۔ جو زندگی اس طرح وبال جان بن رہی ہو اسے رکھنے سے کیا حاصل؟

یا مثلاً (۲) کل... ہسپتال کے برآمدے سے باہر ایک ادھیڑ عمر آدمی کی لاش پائی گئی۔ تحقیقات سے معلوم ہوا کہ یہ ایک غریب مزدور تھا۔ دو ماہ ہوئے اسے بخار آیا۔ دو چار دن اس کا علاج کیا لیکن بخار نہ گیا۔ اُدھر سے مزدوری چھوٹ گئی۔ اِدھر اس کے پاس کچھ نہ رہا۔ وہ اپنی جھونپڑی کے باہر پڑا رہتا تھا۔ کسی نے خدا ترسی کرکے اسے روٹی دے دی۔ کسی نے اوپر کپڑا ڈال دیا۔ اب وہ قریب ایک ہفتہ سے مختلف ہسپتالوں میں مارا مارا پھر رہا تھا کہ اسے داخل کر لیا جائے لیکن اسے کہیں جگہ نہ مل سکی۔ رات وہ ہسپتال کے برآمدے میں لیٹا ہوا تھا جہاں سے اسے چوکیدار نے اٹھا دیا۔ باہر سردی تھی وہ اکڑ کر مر گیا۔

یا (۳) کل بندر روڈ پر ایک زیر تعمیر عمارت کی چوتھی منزل سے گر کر ایک مزدور مر گیا۔ لاش کو پوسٹ مارٹم کے بعد حوالۂ پولیس کر دیا گیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اس مزدور کا ایک اندھا باپ اور تین چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ ان کا دیکھنے والا کوئی نہیں۔ یہی مزدوری کرکے کماتا تھا اور ان سب کا پیٹ پالتا تھا۔

یا (۴) اتوار کی شب، صدر میں ایک کیبن میں آگ لگ گئی اور قبل اس کے کہ آگ بجھانے والے وہاں تک پہنچیں، کیبن جل کر راکھ کا ڈھیر ہو گئی۔ صبح معلوم ہوا کہ یہ ایک نہایت غریب آدمی کی کیبن تھی جسے اس نے بیوی کا آخری زیور بیچ کر خریدا تھا۔ وہ چھوٹی موٹی چیزیں اِدھر اُدھر سے لاکر بیچتا اور بمشکل اپنی اور اپنے بچوں کی روٹی کا انتظام کر پاتا۔ کیبن کے جل جانے سے اس کا یہ آسرا ختم ہو گیا۔ وہ کیبن کی خاکستر کے پاس خاموش بیٹھا تھا۔ اس کی ساری کائنات لٹ چکی تھی۔ اب معلوم نہیں وہ کیا کریگا۔

ایک طرف آپ اس قسم کی خبریں پڑھتے ہیں اور دوسری طرف جب کسی مسجد میں جاتے ہیں یا جہانگیر پارک کے جلسے میں تو منبر اور اسٹیج سے آپ کے کانوں میں اس قسم کی آوازیں آتی ہیں کہ اسلام تمام نوع انسانی کی مشکلات کا حل اپنے اندر رکھتا ہے۔ یہ صرف خدا اور بندے کے درمیان ذاتی تعلق کا نام نہیں۔ یہ انسانی زندگی کے تمام گوشوں کو محیط ہے۔ انسان کی دینی۔ دنیاوی۔ معاشرتی۔ تمدنی۔ سیاسی۔ اقتصادی۔ روحانی۔ معاشی۔ غرضیکہ انفرادی اور اجتماعی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں جو اس کے دائرے سے باہر ہو اور جس کے مسائل کا حل اس نے نہ بتایا ہو۔ اس قسم کے ولولہ انگیز خطبات اور سحر آفریں تقریریں، اس اسلامی مملکت کے ہر شہر اور ہر قریہ میں کروڑوں مسلمان سالہا سال سے سنتے چلے آرہے ہیں لیکن جس اسلام پر یہ کاربند ہیں اُس نے انہیں نہ اس نوجوان کی مصیبت کا کوئی عملی حل بتایا ہے جو مسلسل بیکاری کی وجہ سے خودکشی پر مجبور ہو گیا اور نہ اس مریض کی پریشانی کا جس سے وہ یوں سسک سسک کر مر گیا۔ اس سے نہ اس مزدور کے لاوارث پسماندگان کا کوئی مداوا ہو سکا جو اس عمارت سے گر کر مر گیا تھا اور نہ ہی اس کیبن والے غریب کا جس کی ساری کائنات چند منٹوں میں جل کر خاکستر ہو گئی تھی۔ اگر ان ستم رسیدگان کی مصیبت پر ان کروڑوں مسلمانوں میں سے کسی کا دل پسیجتا ہے تو وہ لوگوں سے چندے کی اپیل کرتا ہے اور اس طرح خیرات کے چند ٹکے اس کی جھولی میں ڈال دیئے جاتے ہیں۔ اور اتنا کر کے، یہ بھیک دینے والے مطمئن ہو جاتے ہیں کہ ہم نے اپنا فریضہ ادا کر دیا۔ سوال یہ ہے کہ کیا اسلام نے ان مشکلات کا یہی حل بتایا ہے کہ ہر حادثہ پر، انفرادی طور پر خیرات کے کچھ پیسے جمع کر کے مظلوم اور ستم رسیدہ کو دیدیئے جائیں؟ کیا اس سے فی الواقعہ ان مسائل کا حل ہو جاتا ہے۔ آپ اس کا جواب اثبات میں دے کر اپنے دل کو فریب دینا چاہیں تو دے لیجئے لیکن جس طرح کبوتر کے آنکھیں بند کر لینے سے بلّی کا خطرہ دور نہیں ہو جاتا اسی طرح آپ کے اس فریب نفس سے ان جگر پاش مسائل کا حل نہیں مل جاتا۔

سوال یہ ہے کہ کیا اسلام نے ان کا کوئی حل دیا ہے اور اگر دیا ہے تو وہ حل کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام نے ان کا حل دیا ہے اور قرار واقعی حل دیا ہے۔۔۔ وہ حل یہ ہے کہ اس کے نزدیک یہ مسائل انفرادی نہیں بلکہ اجتماعی ہیں اور ان کا حل افراد کے نہیں بلکہ خود نظام مملکت کے ذمے ہوتا ہے۔ اس کا کہنا یہ ہے کہ جو مملکت خدا کے نام پر قائم ہوئی ہے وہ سب سے پہلے خدا کی صفت ربّ العالمینی اور رزاقی کی مظہر ہوتی ہے۔ اس کا بنیادی فریضہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اس مملکت کی حدود کے اندر بسنے والے تمام افراد کی بنیادی ضروریات زندگی (روٹی۔ کپڑا۔ مکان۔ علاج۔ تعلیم۔ تربیت وغیرہ) کی ذمہ دار ہو۔ ذمہ داری کے معنی یہ ہیں کہ یہ چیز اس مملکت کے دستور کے اندر شامل ہونی چاہیئے اور اسے اس تقاضے کو ہر فرد کے بنیادی حقوق کی حیثیت سے تسلیم کرنا چاہیئے۔ بنیادی حقوق میں شامل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اگر مملکت کسی وقت اپنے اس فریضہ کی سرانجامدہی میں کوتاہی کرے تو فرد متعلقہ عدالت میں جا کر، مملکت کے خلاف ڈگری حاصل کر سکے۔ اور اس طرح عدالت اس نظام مملکت کو مجبور کر دے کہ وہ اس فرد کی ضروریات زندگی بہم پہنچائے۔ نظام مملکت اور افراد مملکت کا باہمی تعلق باپ اور اولاد کا سا ہوتا ہے۔ جو باپ اپنی اولاد کی ضروریات زندگی کا ذمہ دار نہیں بنتا، معاشرہ میں اسے کوئی بھی عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا۔ وہ اپنے منصب ابوّت سے گر جاتا ہے۔ اسی طرح جو نظام، افراد مملکت کی ضروریات زندگی کا کفیل نہیں ہوتا وہ اپنی بنیادی ذمہ داری کو پورا نہیں کرتا اس لئے کسی کی نگاہوں میں واجب التکریم نہیں رہ سکتا۔ اسلام کی یہی تعلیم ہے۔ قرآن نے یہی بتایا ہے۔

آجکل پاکستان میں پھر تدوین دستور کی کوششیں ہو رہی ہیں اور "اسلامی دستور" کے نعرے پھر بلند ہو رہے ہیں۔ مجموعی حیثیت سے اسلامی دستور کسے کہتے ہیں، طلوع اسلام بار بار وضاحت سے بتا چکا ہے۔ لیکن جہاں تک زیر نظر سوال کا تعلق ہے، ہر اس شخص کو جو اسلامی دستور سے کچھ بھی دلچسپی رکھتا ہے یہ سُن رکھنا چاہیئے کہ اس کی بنیادی شق یہ ہوتی ہے کہ

> ہر فرد مملکت کی تمام بنیادی ضروریات زندگی (روٹی۔ کپڑا۔ مکان۔ علاج۔ تعلیم وغیرہ) کا بہم پہنچانا مملکت کی ذمہ داری ہوگا جس کا مطالبہ ہر فرد، بطور بنیادی حق کے کر سکے گا۔
>
> اگر مملکت اپنے اس فریضہ کی سرانجامدہی میں کوتاہی کرے تو ہر شخص کو یہ حق حاصل ہوگا کہ

(ج) اس کے خلاف بلا کسی قسم کے خرچ کے عدالت میں چارہ جوئی کر سکے۔

یاد رکھئے جس دستور میں یہ شق موجود نہ ہو وہ کبھی اسلامی نہیں کہلا سکتا۔ اگر آپ اس سے متفق ہیں تو آپ مرکزی حکومت کے وزیر قانون (لاء منسٹر) کراچی کو خطوط لکھئے۔ تاریں دیجئے۔ اپنے ہاں ریزولیوشن پاس کرکے اس کی نقول انہیں بھیجئے کہ پاکستان کے زیرِ تدوین دستور میں اس شق کی شمولیت نہایت ضروری ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ مملکت اس اہم فریضہ کی ذمہ داری سے عہدہ برا نہیں ہو سکتی تاوقتیکہ رزق کے سرچشمے اس کی اپنی تحویل میں نہ ہوں۔ اگر وسائل پیداوار افراد کی ملکیت میں رہیں تو نظامِ مملکت افراد کی بنیادی ضروریاتِ زندگی کو کیسے بہم پہنچا سکتا ہے! لہٰذا پہلی شق کے ساتھ یہ دوسری شق لاینفک ہے کہ

وسائل پیداوار انفرادی ملکیت میں رہنے کی بجائے مملکت کی مشترکہ تحویل میں رہیں گے تاکہ مملکت افراد کی ضروریاتِ زندگی کی بہم رسانی اور ان کی صلاحیتوں کی نشوونما کا انتظام کر سکے۔

یہ دونوں شقیں قرآنی تعلیم کے مطابق ہیں اور ان کے بغیر کوئی نظام اسلامی نہیں کہلا سکتا۔

اگر ہمارے زیرِ تدوین نظام میں یہ شقیں (جو درحقیقت ایک ہی اصل کی دو شاخیں ہیں) شامل ہو گئیں تو آپ دیکھئے گا کہ اس سے آپ کے معاشرہ میں کس قدر حسین و خوشگوار انقلاب پیدا ہو جاتا ہے اور یہ حقیقت کس طرح نکھر کر دنیا کے سامنے آ جاتی ہے کہ اسلام انسانی زندگی کے اس بنیادی تقاضے کا حل کس خوبصورتی اور کامیابی سے پیش کرتا ہے اور دنیا کمیونزم کی انسانیت سوز لعنت سے کس طرح محفوظ رہ سکتی ہے۔

جسم کی پرورش

سورۂ بقرہ میں ہے کہ بنی اسرائیل کی فرمائش پر اللہ تعالیٰ نے حضرت طالوت کو ان کا کمانڈر مقرر کیا۔ اس پر انہوں نے اعتراض کیا کہ طالوت تو غریب آدمی ہے۔ اسے یہ منصب کیوں عطا کر دیا گیا ہے؟! اس کے جواب میں ارشاد ہوا کہ زادہ بسطۃ فی العلم والجسم (۲/۲۴۷) کہ طالوت کی علمی استعداد بھی بہت ہے اور جسمانی صحت بھی نہایت عمدہ اس لئے وہ اس منصب قیادت کا سب سے زیادہ حقدار ہے۔ قرآن نے اس واقعہ سے یہ بتایا ہے کہ قومیں وہی زندہ رہ سکتی اور آگے بڑھ سکتی ہیں جن کے افراد کی ذہنی تربیت اور جسمانی پرورش بطریقِ احسن ہوتی چلی جائیں۔ پاکستان میں ہمارے بچوں کی تعلیمی حالت کے متعلق ایک سابقہ اشاعت کے لمعات میں ذکر کیا جا چکا ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ ہماری موجودہ نسل تعلیمی اعتبار سے پست سے پست سطح کی طرف چلی جا رہی ہے اور کسی کو اس کا خیال نہیں کہ ان کی اس سطح کو اگر بلند نہیں کیا جا سکتا تو کم از کم گرنے سے ہی بچا لیا جائے۔ جہاں تک جسمانی پرورش کا تعلق ہے حالت اس سے بھی بدتر ہے۔ آپ سڑک پر کھڑے ہو جائیے یا کسی اجتماع پر نگاہ ڈالیے یا کسی اسکول یا کالج میں جا کر بچوں کو دیکھئے آپ کو نظر آئے گا کہ جسمانی اعتبار سے ہماری پوری کی پوری قوم پر مردنی چھا رہی ہے۔ کسی کے چہرے پر تازگی اور بشاشت نظر نہیں آتی۔ کسی کے جسم میں تازہ خون دوڑتا ہوا دکھائی نہیں دیتا۔ اونچے طبقے کے مرد، سرشام سازی کی کرامات سے اور ان کی بیگمات غازہ کے تصدق اپنے چہروں پر مصنوعی سرخیاں پیدا کر لیتے ہیں لیکن نیچے کے طبقے والے اس سے بھی "محروم" ہیں۔ اس مردنی اور زرد روئی کی وجہ بالکل ظاہر ہے۔ قوم کے معتد بہ حصہ کو تو پیٹ بھر کر کھانے کو نہیں ملتا۔ اور جن لوگوں میں اتنی استطاعت ہے کہ وہ اشیائے خورد و نوش ضرورت کے مطابق خرید سکیں انہیں خالص چیزیں کسی قیمت پر بھی نہیں مل سکتیں۔ قوم کی اکثریت کی یہ حالت ہے کہ ان کی آمدنی قطعاً اتنی نہیں جس سے وہ اپنے اور اپنی بیوی بچوں کے لئے پیٹ کا ایندھن خرید سکیں۔ ذرا غور فرمائیے۔ مرکزی حکومت کے دفاتر میں ایک کلرک کو ساٹھ روپے ماہوار تنخواہ ملتی ہے۔ مہنگائی وغیرہ کا الاؤنس شامل کرنے سے اس کی کل آمدنی نوے یا سو روپے کے قریب ہوتی ہے۔ اگر اس کا خاندان، میاں بیوی اور دو تین بچوں پر بھی مشتمل ہو تو آپ حساب لگا کر دیکھئے کہ اس سو روپے میں وہ بیچارہ کیا کچھ خرید سکتا ہے، جبکہ اس میں سے اس نے کرایہ مکان بھی دینا ہو اور پانی اور بجلی کے بل بھی ادا کرنے ہوں۔ کپڑے بھی بنوانے ہوں اور دفتر تک آنے جانے کا خرچ بھی برداشت کرنا ہو۔ اس کے ساتھ بیماری اور حادثات بھی ہیں۔ ہمیں کئی ایک ایسے شریف گھروں کا علم ہے جنہوں نے محض آمدنی کی کمی کی وجہ سے ایک وقت کا کھانا ترک کر رکھا ہے۔ اشیائے استعمال اور خورد و نوش کی قیمتیں دن بدن بڑھتی چلی جا رہی ہیں اور جو کچھ دس سال پہلے سو روپیہ میں مل جاتا تھا وہ آج دو سو روپے میں بھی نہیں ملتا۔

لیکن جو لوگ ان چیزوں کے خریدنے کی استطاعت رکھتے ہیں ان کی حالت بھی کسی صورت میں اطمینان بخش نہیں۔ آٹا لائیے تو یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ اس میں برادہ، سوکھی روٹیوں کے ٹکڑے، پرانا بھوسہ اور نہ معلوم کیا کیا کچھ ملا ہوا ہے۔ دودھ لیجئے تو کوئی نہیں کہہ سکتا کہ وہ کس کس جوہر کا سفید کیا ہوا پانی ہے۔ گھی اور مکھن کا تو ذکر ہی بے کار ہے۔ اب تو تیل تک بھی خالص نہیں ملتا۔ گوشت آتا ہے تو اسے دیکھنے سے گھن آنے لگ جاتی ہے۔ یہی حالت سبزی ترکاری کی ہے۔ حتیٰ کہ پسے ہوئے نمک مرچ مصالحوں تک میں غلیظ چیزوں کی ملاوٹ ہوتی ہے۔ ان حالات میں سوچئے کہ جو لوگ پیٹ بھر کر کھانے کی استطاعت بھی رکھتے ہیں وہ کن چیزوں سے اپنا پیٹ بھرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کا جسم انہی چیزوں سے ترکیب پاتا ہے جنہیں وہ کھاتا ہے۔ اس قسم کی غلیظ اور کثیف اشیاء سے جو جسم پرورش پائیں گے وہ مختلف بیماریوں کے چلتے پھرتے پیکر نہیں ہوں گے تو پھر اور کیا ہوں گے؟ نتیجہ ظاہر ہے۔ شہر کے کسی حکیم کے مطب یا ڈاکٹر کے کلینک میں چلے جائیے ہر جگہ بیماروں کی بھیڑ دکھائی دے گی۔ لیکن یہاں ایک اور تماشا شروع ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر نسخہ لکھ کر دیتا ہے تو بیمار اسے دکان دکان پر لئے پھرتا ہے لیکن کہیں دوائی نہیں ملتی۔ آج ہی صبح ۱۸ر نومبر اخبار میں تھا کہ کراچی میں ایک غیر ملکی سفیر کو کسی دوائی کی ضرورت تھی وہ چار دن تک مارا مارا پھرتا رہا اور جب دوائی کہیں سے دستیاب نہ ہو سکی تو اس نے مجبور ہو کر اپنے ملک سے منگائی۔

آپ غور کیجیے کہ جس ملک میں کھانے پینے کی چیزوں اور ادویات کا یہ عالم ہو وہاں انسانوں کے جسم کی پرورش کیا ہو سکتی ہے؟ کہنے کو ان چیزوں کی روک تھام کے لئے قوانین بھی موجود ہیں اور ان قوانین کو نافذ کرنے کے لئے سفید ہاتھی جتنی بڑی حکومت کی مشینری بھی۔ لیکن ان انتظامات کا جو نتیجہ ہے وہ ہر گلی اور کوچہ میں کھلے بندوں نظر آتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ جس قوم کے جسم کی پرورش کا انتظام اس قسم کا ہو وہ کتنے عرصہ تک طبعی طور پر زندہ رہ سکتی ہے؟ لیکن

دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام
کشتی کسی کی پار لگے یا درمیاں رہے!

... بعد از خرابی بسیار

۵ر نومبر کو کراچی کے ڈو میڈیکل کالج اور سول ہسپتال کے کم تنخواہ والے ملازمین نے ہڑتال کر دی۔ ان کی تعداد ساڑھے تین سو کے لگ بھگ تھی اور ان میں چپراسی، اردلی، بھنگی، خانساماں وغیرہ شامل تھے۔ ان کے مطالبات یہ تھے، ان کی تنخواہوں میں اضافہ کیا جائے، وردیاں مہیا کی جائیں، بہتر رہائش کا انتظام ہو اور لمبی ملازمت والوں کو مستقل کیا جائے۔ ان مطالبات میں کوئی نئی بات نہیں۔ قریباً ہر جگہ ملازمین کے مسائل و مشکلات اسی نوع کے ہوتے ہیں اور ان کے متعلق فریقین میں معاملہ بازی ہوتی رہتی ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی ادارے کے بخوبی چلنے یا چلانے کے لئے ضروری ہے کہ ان امور کو نپٹانے کے واضح قاعدے مقرر ہوں تاکہ ان کے مطابق کاروبار چلتا رہے اور قدم قدم پر تنازعات پیدا نہ ہوں اور جب غیر معمولی حالات پیدا ہو جائیں تو باہمی صلاح و مشورے اور افہام و تفہیم سے ان کا حل تلاش کر لیا جائے۔ کہنے کو ہمارے ہاں اس کا انتظام موجود ہے لیکن اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ ایسی باتوں پر نوبت ہڑتال کے انتہائی اقدام تک پہنچ جاتی ہے جو ہرگز اس کی متقاضی نہیں ہوتیں۔ مثلاً اس ہڑتال کو لیجیے، جس دن ہڑتال شروع ہوئی اس دن اربابِ حل و عقد نے یہ اعلان کیا کہ انہوں نے ملازمین متعلقہ کے مطالبات اصولاً تسلیم کر لئے ہیں لیکن ان پر عمل درآمد کرنے پر وقت لگے گا کیونکہ اس کے لئے پیسہ درکار ہے اور وزارتِ صحت کو اس کے لئے بجٹ میں گنجائش پیدا کرنی ہے۔ اگر صورتِ حال یہی تھی تو ہڑتال کا سوال ہی پیدا نہیں ہونا چاہیئے تھا۔ لیکن ہڑتال ہوئی اور وہ دس دن تک جاری رہی۔ معاملہ ہسپتال کا تھا جہاں ہر قسم کے مریض آتے ہیں اور رہتے ہیں۔ چنانچہ نرسوں کو صفائی کا کام اور کمپونڈروں کو کھانا پکانے کا کام بھی کرنا پڑا۔ ظاہر ہے کہ جب ان پر یہ فالتو بار پڑا ہو گا تو کام کا بھی ہرج ہوا ہو گا۔ اور مریضوں کو بھی پریشانی کا سامنا کرنا پڑا ہو گا۔ مریضوں کا معاملہ نازک ہے۔ جانے ان میں کس کس قسم کے مریض تھے اور انہیں کس قدر توجہ کی ضرورت تھی۔ بہرحال یہ صورتِ حال دس دن تک جاری رہی اور جب ہڑتال ختم ہوئی تو ملازمین کا کوئی ایک مطالبہ بھی نہیں مانا گیا بلکہ صرف اتنا ہوا کہ وزیرِ صحت نے انہیں یقین دلایا کہ ان کے مطالبات پر غور کیا جائے گا۔ یہاں

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ہڑتال کو صرف اتنی سی بات پر ختم کیا جا سکتا تھا کہ وزیر صحت یہ یقین دلا دیں کہ ملازمین کے مطالبات پر غور نہ کیا جائے گا (واضح رہے کہ غور میں مطالبات کی قبولیت و عدم قبولیت دونوں شامل ہیں) تو یہ یقین دہانی پہلے ہی دن کیوں نہ کردی گئی؟ اس لئے مناسب یہ تھا کہ ملازمین یہ مطالبہ نہ کرتے کہ ان کے مطالبات منظور نہ کئے گئے تو وہ ہڑتال کردیں گے بلکہ وہ صرف اس پر اصرار کرتے کہ انہیں کسی ایسی اعلیٰ شخصیت کی طرف سے ضروری یقین دلا دیا جائے جس پر انہیں اعتماد ہو۔ اور اگر ملازمین نے ایسا نہیں کیا تھا تو ارباب حل و عقد کو از خود یہ معاملہ اعلیٰ سطح تک لیجانا چاہیئے تھا اور یقین دہانی کی کمی کو پورا کردینا چاہیئے تھا۔ یوں تو ہر جگہ افہام و تفہیم کی ہر ممکن صورت سے کام لینا چاہیئے لیکن ہسپتالوں کے معاملہ میں اس کی ضرورت اور زیادہ ہوجاتی ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ اس ہڑتال کی ذمہ داری تنہا ارباب حل و عقد پر عائد ہوتی ہے یا ملازمین پر لیکن جس انداز سے ہڑتال ہوئی وہ غایت درجہ افسوسناک ہے اور اس سے فریقین بری الذمہ نہیں ہوسکتے۔ اگر وہ اپنی ذمہ داری کو بطریق احسن محسوس کرتے تو معاملہ اس قدر نہ بگڑتا۔

جوش ملیح آبادی

ہماری طرح ہمارے دیگر معاصرین نے جوش ملیح آبادی کے پاکستان بلائے جانے پر شدید احتجاج کیا تو حکومت پاکستان نے اس کی تردید کردی اور کہدیا کہ نہ انہیں کسی جاگیر کی پیش کش کی گئی ہے اور نہ ہی مکان یا کسی سستیا میں حصتوں کی الاٹمنٹ کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اس تردید کو دیکھ کر ہمیں خوشی ہوئی تھی کہ ہماری حکومت اس احمقانہ (بلکہ مجرمانہ) حرکت کی ذمہ دار نہیں جو ایک اخباری اطلاع اور جوش صاحب کے اپنے بیان نے اس کی طرف منسوب کی تھی۔ لیکن اس تردید کے دوسرے دن نئی دہلی سے یہ اطلاع آگئی کہ جوش صاحب نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ خود ہندوستان میں رہیں اور ان کے بچے پاکستان میں آجائیں۔ البتہ وہ سال میں چار مہینے پاکستان میں گذارا کریں گے اور اس دوران میں یہاں کوئی ادبی کام کیا کریں گے۔ اس وقت انہیں حکومت ہند کی طرف سے جو ملازمت ملی ہوئی ہے وہ اس سے علیحدہ نہیں ہوں گے۔ اس سلسلہ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ جوش صاحب کے بچوں کی کفالت کا انتظام حکومت پاکستان نے کر دیا ہے اور جوش صاحب پاکستان میں کوئی خاص ادبی کام سرانجام دیں گے۔

اگر یہ اطلاع صحیح ہے تو یہ صورت اس صورت سے بدتر ہے جس پر ہم نے سابقہ اشاعت میں تبصرہ کیا تھا۔ جوش صاحب کا ہندوستان کو خیرباد کہہ کے پاکستان آجانا ایک حد تک قابل فہم تھا لیکن اب ان کے بچے تو حکومت پاکستان پالے گی اور وہ آٹھ مہینے حکومت ہند کی خدمت کریں گے اور چار مہینے پاکستان میں کچھ کریں گے۔ ظاہر ہے کہ یہ انتظام دونوں حکومتوں کی رضامندی کے بغیر ممکن نہیں۔ گویا اس بنا پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ حکومت پاکستان اور حکومت ہندوستان نے اس قسم کا سمجھوتہ کرلیا ہے ہم اس پر جوش صاحب سے یہ نہیں پوچھتے کہ وہ دو کشتیوں میں کیوں سوار ہو رہے ہیں، نہ حکومت ہند سے یہ کہتے ہیں کہ وہ اس پر کیسے راضی ہوگئی حالانکہ مسلمانوں کو وہ اس بنا پر تارک وطن قرار دے کر ملک سے نکال دیتی ہے کہ ان کے بچے یا عزیز و اقارب پاکستان میں ہیں۔ البتہ ہم حکومت پاکستان سے اس کا جواب مانگتے ہیں کہ وہ مہاجروں کی ایسی کلاس کیوں پیدا کر رہی ہے جن کی پرورش تو ہم کریں گے لیکن ان کی وفاداریاں بٹی ہوئی ہوں گی؟ یہ صورت غیر معقول ہی نہیں خطرناک بھی ہے۔ یوں تو کوئی ملک بھی اس دو غلے پن کو گوارا نہیں کرے گا۔ لیکن پاکستان کو اور زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ بالخصوص جب واسطہ ہندوستان سے ہو۔ اور یہ نکتہ ایسا نہیں جسے سمجھنے کے لئے دماغ سوزی کی ضرورت پڑے۔ گذشتہ آٹھ سال میں ہندوستان نے جو کچھ ہمارے ساتھ کیا اور جو کچھ وہ کرتا چلا جارہا ہے وہ کسی تبصرے کا محتاج نہیں اور نہ اس کے متعلق ملک میں دو رائیں پائی جاتی ہیں اگر حکومت بالفرض اس فیصلے کو صحیح سمجھتی ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا وہ اس کے لئے تیار ہے کہ جو مسلمان ہندوستان سے محض اس لئے نکال دیئے گئے کہ ان کے خاندان کے بعض افراد پاکستان آگئے تھے، ان کے لئے بھی وہ حکومت ہندوستان سے اسی قسم کا سمجھوتہ کرلے؟ اگر یہ نہیں ہوسکتا تو ہم پوچھتے ہیں کہ جوش میں کونسا سرخاب کا پر ہے کہ ان سے یہ امتیازی استثنائی سلوک روا رکھا جارہا ہے؟ ہم حکومت سے یہ بھی پوچھتے ہیں کہ وہ کون سے کام ہیں عام اس سے کہ وہ ادبی ہوں یا غیر ادبی جو جوش صاحب کے بغیر ہو نہیں سکیں گے اور کوئی پاکستانی انہیں سرانجام نہیں دے سکے گا؟ کیا جوش کے پائے کا کوئی ادیب پاکستان میں موجود نہیں؟ یا کیا ادیب کے لئے یہ شرط ناگزیر ہے کہ وہ پاکستان کا مخالف ہو؟ اگر حکومت پاکستان نے اب تک ان امور کو نہیں سوچا تو ہم اسے دعوت دیتے ہیں کہ وہ اب سوچے اور قوم کو جواب دے، حیرت یہ ہے کہ ایک طرف اس قسم کے اعلانات بھی ہوتے ہیں کہ پاکستان میں غیر ملکی جاسوسوں کی بھرمار ہے اور اور دوسری طرف حکومت خود ہی ایسے اشخاص کے لئے سہولتیں بہم پہنچا رہی ہے جو رہیں گے یہاں اور ان کی ہمدردیاں ہندوستان کے ساتھ ہوں گی! اور ان میں سے بھی ایک ایسا شخص جس کی اسلام دشمنی اور الحاد دوستی کوئی سربستہ راز نہیں۔ اور اسلام دشمنی بھی دریدہ دہنی اور گستاخی کی اس حد تک پہنچی ہوئی جسے کوئی شریف انسان برداشت نہ کرسکے۔

سخن شناس نہ

شاہ سعود عنقریب ہندوستان کے دورے پر تشریف لارہے ہیں۔ پہلے اطلاع یہ تھی کہ آپ مقبوضہ کشمیر کی مخصوص حیثیت کے پیش نظر وہاں تشریف نہیں لے جائیں گے۔ لیکن اب نئی دہلی سے یہ خبر آئی ہے کہ آپ بالآخر اسے اپنے دورے میں شامل کرنے پر تیار ہوگئے ہیں۔ اگر یہ صحیح ہے تو ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ شاہ موصوف یا ان کے مشیروں نے کشمیر کی نزاکت کو یا تو محسوس نہیں کیا یا اسے کسی مصلحت کے تحت نظر انداز کردیا ہے۔ ہم اس وقت کشمیر کے تنازعہ کے حسن و قبح میں پڑنا نہیں چاہتے کیونکہ ایک تو یہ بحث اس وقت غیر متعلق ہے دوسرے اس کی حقیقت ایک عالم کو معلوم ہے لیکن یہ کہنا مبالغہ نہیں محض اظہار حقیقت ہے کہ کشمیر عالم اسلامی کے لئے اتنا ہی سنگین خطرہ ہے جتنا یہودی سلطنت ہوسکتی ہے "اسرائیل" اور "کشمیر" دونوں عالم اسلامی کے رستے ہوئے ناسور ہیں۔ پاکستان نے ان دونوں خطروں کو پوری طرح بھانپ لیا ہے اور ان کے مقابلے کے لئے وہ پوری طرح تیار ہو رہا ہے۔ امریکہ سے فوجی امداد اور معاہدہ بغداد میں شرکت اسی نکتہ کی تفسیریں ہیں۔ لیکن ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ دیگر ممالک مسلمہ نے بالعموم اور ممالک عربیہ نے بالخصوص کشمیر کے تباہ کن مضمرات کو کماحقہ محسوس نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ عرب جہاں یہودی سلطنت کو زندگی اور موت کا سوال سمجھتے ہیں وہاں کشمیر کو چنداں شایان اعتنا نہیں سمجھتے حالانکہ بادنیٰ تعمق دونوں مسائل کے مسلمانان عالم کیلئے زندگی او موت کے مسائل ہونے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔

یوں تو کسی مسلمان ملک کی طرف سے بے اعتنائی کا مظاہرہ ہو ہمارے لئے وہ قلبی اضطراب کا باعث ہوگا لیکن جب شاہ سعود حجاز بھی اسی روش پہ جائیں تو ہیجان و اضطراب کی حد نہیں رہتی کیونکہ ان کی حیثیت متولی کعبہ ہونے کی وجہ سے بڑی قابل احترام ہے مسلمانان عالم دیگر ممالک مسلمہ کے بارے میں ایسے ویسے خیالات رکھ بھی لیں تو عربستان کے متعلق ان کے جذبات عقیدت و محبت میں کبھی کمی نہیں آسکتی۔ وہ ہر سال کشاں کشاں دیار عرب میں جاتے ہیں اور اسے زندگی کی سب سے بڑی سعادت تصور کرتے ہیں۔ عرب سے اس شیفتگی نے شاہ عرب کو مخصوص حیثیت عطا کردی ہے۔ لہٰذا انہیں اپنے قول و فعل میں بڑا محتاط ہونا چاہیئے کیونکہ ان کا اثر مسلمانان عالم پر کہیں گہرا پڑتا ہے۔ اندریں حالات شاہ سعود کا کشمیر جانے کا فیصلہ حیرت انگیز ہے اور یہ تاثر مسلمانان پاکستان کا ہی نہیں ان مظلومین کشمیر کا بھی ہے جو آٹھ سال سے ہندوستانی مظالم بے پناہ کا شکار چلے آرہے ہیں۔ شاہ سعود ان مظلوموں کے وطن میں تشریف لے جائیں گے تو انہیں ان کے جاننے کا کیا، آہ تک سننے کا موقع نہیں ملے گا کیونکہ انہیں اس کی بھی اجازت نہیں کہ وہاں تشریف لیجا کر شاہ سعود براہ راست نہیں تو بالواسطہ ایک عالم کو یہ یقین نہیں دلائیں گے کہ کشمیر ہندوستان کا حصہ ہے اور وہاں "سب خیریت ہے"! ہم شاہ سعود سے یہ پوچھنے کی جسارت کرتے ہیں کہ اگر کہیں وزیر اعظم پاکستان "اسرائیل" کا دورہ کرنے جائیں تو ان کے قلب پر کیا گزرے گی؟ اگر وہ اسے برداشت نہیں کرتے تو اہل پاکستان ان کے کشمیر کے دورے کو بھی گوارا نہیں کرسکتے۔ مسلمانوں کے دل میں ان کا اس قدر احترام ہے کہ جب پچھلے دنوں انہوں نے ان ترکی جہازوں کو عربی علاقے میں اترنے یا اس پر سے گزرنے کی اجازت نہیں دی تھی جو پاکستان کے سیلاب زدگان کے لئے ضروری امداد لا رہے تھے تو انہوں نے اُف تک نہیں کی تھی۔ اب اگر وہ حرف شکایت زبان پر لارہے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اب وہ خاموش نہیں رہ سکتے۔ اس ضمن میں شاید اس وفد کا تذکرہ بے محل نہیں ہوگا۔ جو حج کے موقع پر مولوی حبیب الرحمان کی قیادت میں عرب گیا تھا۔ مولوی صاحب ہندوستان کے تنخواہ دار ہیں اور وہ بڑی ڈھٹائی سے یہ کہہ کر گئے تھے کہ وہ مسلمانان عالم کو بتائیں گے

کہ مسلمانانِ ہندوستان امن و عافیت سے رہ رہے ہیں۔ اس قدر کا پاکستان میں کافی چرچا ہوا تھا۔ کیونکہ اس کی براہِ راست زد پاکستان پہ پڑتی تھی۔ کیا آج ہم یہ نتیجہ نکالیں کہ شاہ سعود کا دورۂ ہندوستان بشمول کشمیر اس مردود وفد کی کوششوں کا مرہونِ منت ہے؟ ہم یہاں شاہ سعود کو انڈونیشیا کے نائب اور ڈاکٹر حتی کی مثال دینا بھی ضروری سمجھتے ہیں۔ آپ نے حال ہی میں ہندوستان کا دورہ کیا ہے اور آپ مقبوضہ کشمیر بھی گئے تھے۔ لیکن آپ نے یہ دعایت رکھی کہ اس دورہ کو سرکاری نہیں بنایا۔ آپ ایک عام آدمی کی طرح کشمیر گئے اور کسی قسم کے اعزاز و استقبال کو روا نہیں رکھا۔ نہ معلوم مصر کا غلط اقدام (کہ اس نے معاہدہ عراق کے بجائے اپنا رخ دوسری سمت کو کر لیا ہے) عالمِ اسلامی کے لئے کن کن خطرناک عواقب کا موجب بنے گا۔ شاہ سعود (جو مصر کے حلیف ہیں) کا موجودہ فیصلہ بھی اسی شاخسانہ کی کڑی نظر آتا ہے۔ اللہ رحم کرے۔ (ابھی ابھی اخبارات سے معلوم ہوا کہ شاہ سعود نے کشمیر جانا منظور نہیں کیا۔ خدا کرے کہ یہ خبر سچی ہو۔)

سُلطان کی واپسی

مراکش کے حالات نے غیر متوقع طور پر خوش آیند پلٹا کھایا ہے اور سلطان ابن یوسف دو سال کی جلاوطنی کے بعد مراجعت فرمائے وطن اور سریر آرائے حکومت ہو گئے ہیں۔ ان کی واپسی تحریکِ آزادی کی بہت بڑی فتح ہے۔ سلطان موصوف بہت بڑے وطن پرست ہیں اور انہوں نے فرانس کے مقابلے میں وطن پرستوں کا یہاں تک ساتھ دیا کہ ۱۹۵۳ء میں فرانس نے انہیں معزول کر کے مڈغاسکر میں نظربند کر دیا۔ لیکن مراکش نے انہیں آزادی کا نشان سمجھ کر ان کی واپسی کو قومی مطالبہ بنا لیا۔ اور دو سالوں میں بدقسمت مراکش میں بہت کشت و خون ہوا۔ اگر فرانس مراکش کا مزاج سمجھ لیتا تو جان و مال کا یوں بے دریغ اتلاف نہ ہوتا اور خود فرانس ان قومی حوادث سے محفوظ رہتا جا سے بین الاقوامی سیاست میں ایک کمتر درجے کی مملکت بنائے جا رہے ہیں۔ لیکن نہیں، فرانس نے ہند چینی کی ذلت آمیز شکست سے سبق سیکھا اور نہ مراکش کے تجربے سے فائدہ اٹھایا۔ اس نے فوجی قوت اور سیاسی چالوں پر تکیہ کرنا ہی مناسب سمجھا۔ وہ زیادہ سے زیادہ فوج اس سرزمین میں جھونکتا چلا گیا اور سلطان ابن یوسف کو راستے سے ہٹا کر اپنا پٹھو تخت پر بٹھا کر اس جھوٹے اطمینان میں مبتلا ہو گیا کہ اب تحریکِ آزادی دب جائے گی اور مراکش اس کے لئے پھولوں کی سیج بن جائے گا۔ لیکن ان دو سال کے واقعات نے اسے جتا دیا کہ اس صورتِ حال کا علاج نہ جبر و تشدد ہے نہ سازشیں۔ چنانچہ اس نے اپنا مسلط کردہ سلطان ابن عرفہ، کو معزول کر کے ایک ایجنسی کونسل قائم کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ البتہ مراکشی مطالبے کے دباؤ میں آ کر یہ تسلیم کر لیا کہ وہ سلطان ابن یوسف کو مڈغاسکر سے پیرس لے آئے گا۔ اور نئی اصلاحات کے بارے میں ان سے مشورہ کرے گا۔ فرانس یہ کچھ کرنے پر مجبور ہو گیا تھا ورنہ اس کی نیت بالکل صاف نہ تھی۔ اس نے ایک طرف سلطان ابن یوسف کو مراکش آنے سے روکا تو دوسری طرف ایجنسی کونسل میں اپنی مرضی کے آدمی بھرنے کی کوشش کی۔ اس سے ملک میں پھر تعطل پیدا ہو گیا کیونکہ سب سے بڑی سیاسی جماعت، استقلال، نے اس ایجنسی کونسل سے تعاون کرنے سے انکار کر دیا۔ یہاں آ کے حالات نے غیر متوقع پلٹا کھایا۔ اچانک ابن عرفہ نے یہ حیران کن اعلان کر دیا کہ وہ ابن یوسف کے وفادار ہیں اور ان کی واپسی کے حق میں ہیں۔ اسی طرح مشہور بربر پاشا، الغلاوی، جنہیں ابن یوسف کا دشمن سمجھا جاتا تھا اور جن کی مخالفت کی آڑ لے کر فرانس نے ابن یوسف کو معزول کیا اور اب ان کی مراکش کی واپسی میں مانع ہو رہا تھا۔ انہوں نے بھی یہ اعلان کر دیا کہ وہ ابن یوسف کے وفادار ہیں۔ حالات کو یوں پلٹتے دیکھ کر فرانس کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی اور اس کے پاس ابن یوسف کے خلاف جس قدر دلیلیں تھیں وہ سب باطل ہو گئیں۔ چنانچہ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہا کہ سلطان کو پھر سے گدی نشین ہونے دیا جائے۔ اب ابن یوسف اپنے وطن واپس آ گئے ہیں اور چھنے ہوئے تخت کے مالک بن چکے ہیں۔ فرانس کی یہ بھاری شکست ہے لیکن کیا اس کی آنکھیں کھل گئی ہیں؟ اس کا ثبوت ان مذاکرات میں ملے گا جو سلطان کی حکومت اور فرانس کے مابین مراکش کے سیاسی مستقبل کے بارے میں شروع ہونے والے ہیں۔ اگر فرانس نے سابقہ تجربوں سے کچھ بھی فائدہ اٹھایا تو وہ کسی قسم کا روڑہ اٹکائے بغیر مراکش کو داخلی آزادی دینے پر رضامند ہو جائے گا، یہ کم سے کم رعایت ہے جو مراکش کو ملنی چاہیئے۔ اگر فرانس نے یہ درجہ رضامندی سے نہ دیا تو مراکش کا مطالبہ مکمل آزادی کا ہو جائے گا اور فرانس کے لئے اس سے کوئی مفر نہیں ہوگا۔ فرانس کو ٹیونس کی مثال بھی پیشِ نظر رکھنی چاہیئے۔ وہاں ہر چند نیو دستور پارٹی نے داخلی آزادی کو تسلیم کر لیا ہے۔ اس پارٹی میں ایک طبقہ ایسا بھی پیدا ہو گیا ہے جو مکمل آزادی پسند کر رہا ہے اور اس بنا پر وہ اپنی پارٹی سے کٹ گیا ہے۔ اگر فرانس نے اب بھی لیت و لعل سے کام لیا تو مغربِ اقصیٰ میں انتہائی طبقہ زور پکڑ جائے گا اور سارے علاقے (ٹیونس، مراکش اور الجزائر) میں مکمل آزادی کے لئے ایک نئی اور فیصلہ کن جنگ شروع ہو جائے گی۔ فرانس اس آگ کے شعلوں سے بچنا چاہتا ہے تو اسے حقیقت پسندی کا ثبوت دے کر مغربِ اقصیٰ کی مفاہمت آمادگی کا فائدہ اٹھانا چاہیئے۔

کشمیر کانفرنس

اخبارات میں شائع شدہ اطلاعات سے معلوم ہوتا ہے کہ ۲۶ر نومبر کو منعقد ہونے والی کشمیر کانفرنس کے قریب قریب تمام مدعوین نے دعوت نامہ قبول کر لیا ہے۔ اور کانفرنس میں شمولیت کے لئے آ رہے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ کانفرنس کے پہلے دن کی کارروائی "پبلک" ہوگی اور باقی کے بعد خفیہ۔ اس سے ظاہر ہے کہ کانفرنس میں ایسے امور پر بحث و تمحیص ہوگی جن کا صیغۂ راز میں رہنا ضروری ہے۔ ہم نے سابقہ اشاعت میں لکھا تھا کہ مدعوین کی فہرست میں ایسے لوگوں کے نام بھی نظر آتے ہیں جو نظریۂ پاکستان کے خلاف تھے، یا جو خود مسئلہ کشمیر کے سلسلہ میں ایسی حرکات کے مرتکب ہوئے جن کی بنا پر حکومت کو انہیں پابندِ سلاسل کرنا پڑا۔ نیز ان میں ہندوؤں کے نام بھی ہیں۔ ہم حکومت سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ کیا انہیں یقین ہے کہ جو باتیں ان لوگوں کی موجودگی میں ہوں گی وہ بالکل راز میں رہیں گی؟ "مجبوری کا نام شکریہ" ایک پرانی ضرب المثل ہے لیکن

قرآنی انقلاب کا لٹریچر

معراجِ انسانیت (از پرویز) سیرت صاحب قرآن علیہ التحیۃ والسلام کو قرآن کے آئینے میں دیکھنے کی پہلی اور کامیاب کوشش۔ مذاہبِ عالم کی تاریخ اور تہذیبی پس منظر کے ساتھ ساتھ حضور سرورِ کائنات کی سیرت اور دعوت کے تمام گوشے نکھر کر سامنے آ گئے ہیں۔ بڑے سائز کے قریباً نو سو صفحات۔ عالی و اعلیٰ کاغذ، مضبوط و حسین جلد ۔۔۔ قیمت تیس روپے

ابلیس و آدم (از پرویز) سلسلہ معارف القرآن کی دوسری جلد ۔۔۔ انسانی تخلیق۔ قصہ آدم، جنات، ملائکہ، وحی وغیرہ جیسے اہم مباحث کی حامل۔ بڑی تقطیع کے ۔۔۔ صفحات ۔۔۔ قیمت آٹھ روپے

قرآنی دستورِ پاکستان اس میں پاکستان کے قرآنی دستور کا خاکہ دیا گیا ہے اور حکومت علماء اور اسلامی جماعت کے مجوزہ دستوروں پر تنقید کی گئی ہے۔ دو سو چوبیس صفحات ۔۔۔ قیمت دو روپے آٹھ آنے

اسلامی نظام اسلامی مملکت کے بنیادی اصول کیا ہیں؟ اور اسلامی نظام کیسے قائم ہو سکتا ہے؟ اس کے جواب میں پرویز اور علامہ اسلم جیراجپوری کے مقالات جنہوں نے فکر و نظر کی نئی راہیں کھول دی ہیں۔ ۔۔۔ صفحات۔ قیمت دو روپے

سلیم کے نام (از پرویز) نوجوانوں کے دل میں اسلام سے متعلق جو شکوک پیدا ہوتے ہیں ان کا شگفتہ مدلل اور اچھوتا جواب ۔۔۔ سائز کے ۴۰۰ صفحات ۔۔۔ قیمت چھ روپے

قرآنی فیصلے روزمرہ کی زندگی کے ساتھ اہم ۔۔۔ معاملات پر قرآن کی روشنی میں بحث ۔۔۔ ۴۰۰ صفحات ۔۔۔ قیمت چار روپے

اسبابِ زوالِ امت (از پرویز) مسلمانوں کی ۔۔۔ پہلی مرتبہ بتایا گیا ہے کہ ہمارا مرض کیا ہے؟ اور علاج کیا؟ ایک سو ۔۔۔ صفحات ۔۔۔ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے

جشن نامے ۔۔۔ سات سالہ دورِ آزادی ۔۔۔ قیمت دو روپے آٹھ آنے

ملنے کا پتہ:- ناظم ادارہ طلوعِ اسلام۔ پوسٹ بکس نمبر ۴۳۱، کراچی

غیر ملکی جاسوس

ان دنوں اخبارات میں غیر ملکی جاسوسوں کا بہت چرچا ہو رہا ہے۔ شائع شدہ تفاصیل سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کارندے زندگی کے کم و بیش ہر شعبے میں پھیلے ہوئے ہیں اور ہر طرح کے جائز و ناجائز ذرائع سے کام لے کر اہلِ پاکستان میں افسردگی، بددلی اور منافرت کے جذبات پیدا کرنے میں کوشاں ہیں۔ انسانیت سوز وطنیت نے اقدارِ انسانی کو اس درجہ پست کر دیا ہے کہ دوسرے ممالک میں فتنہ و فساد پیدا کرنا اپنے وطن کی اعلیٰ خدمت متصور ہوتی ہے۔

یہ کوشش کتنی ہی مردود کیوں نہ ہو یہی تو موجودہ بین الاقوامی سیاست کا طرۂ امتیاز۔ لہٰذا اس پر چنداں اچنبا نہیں ہوتا کہ کسی ملک میں غیر ملکی جاسوس کام کر رہے ہیں۔ پاکستان کے معاملہ میں تو اس کی گنجائش اور زیادہ ہو جاتی ہے کیونکہ اس کے ایک طرف ہندوستان ہے اور دوسری طرف روس۔ پاکستان دشمن ہندوستان کی مخالفت کے علی الرغم معرضِ وجود میں آیا بلکہ ہندوستان آج تک پاکستان کا حقِ زیست تسلیم نہیں کر سکا۔ وہ اسے تشکیل ہونے سے روک نہ سکا تو اس نے بہت جتن کئے کہ یہ چل نہ سکے۔ اور اب جو یہ چل نکلا ہے تو اس کی انتہائی کوشش یہ ہے کہ یہ بین الاقوامی سیاست میں مؤثر ثابت نہ ہو سکے۔ لہٰذا وہ اسے اندرونی طور پر کھوکھلا کرنے کے درپے ہے اور بیرونی طور پر اس کی راہ میں کانٹے بکھیرتا جا رہا ہے۔ اسے تقویت روس سے مل رہی ہے۔ روس کو پاکستان سے خدا واسطے کا بیر تھا کیونکہ یہ دینی تصور کی بنا پر معرضِ وجود میں آیا۔ اب اسے پاکستان سے یہ کد بھی ہو گئی ہے کہ وہ مغرب سے رشتہ جوڑ رہا ہے۔ لہٰذا ان ممالک کا اپنے عزائمِ مشئومہ کی تکمیل کے لئے پاکستان کے خلاف ریشہ دوانیاں کرنا بالکل قابلِ فہم ہے۔ ہمیں ان سے گلہ یا شکایت نہیں ہے، ہمارے نزدیک رونا اس بات کا ہے کہ اہلِ پاکستان میں بالعموم پاکستانی تصور کا اس درجہ فقدان ہے کہ غیر ملکی کارندوں کو یہاں بڑی زرخیز زمین میسر آ جاتی ہے۔ بہ نظرِ غائر دیکھا جائے تو پاکستان میں دو ایسے عناصر مصروفِ عمل ہیں جو ہر طرح سے اسے پست کرنے میں لگے رہتے ہیں اور ذہنی خلفشار پیدا کر کے پاکستان کی جڑیں کھوکھلی کرتے ہیں۔ ایک عنصر تو وہ ہے جو نہایت سادگی اور معصومیت سے یہ پروپیگنڈا کرتا رہتا ہے کہ پاکستان نے امریکہ سے رشتہ جوڑ کر اپنی آزادی کو رہن رکھ دیا ہے اور اس سے امداد لے کر اپنے آپ کو اس کے ہاتھوں فروخت کر دیا ہے۔ یہ عنصر صاف طور پر یہ نہیں کہتا کہ امریکہ سے کٹ کر روس سے رشتہ جوڑا جائے لیکن وہ بڑی عیاری سے روسی کارناموں کو پیش کرتا ہے۔ اور "غیر جانبدارانہ" نقطۂ نظر سے ان کی تعریف کرتا ہے ان کا انداز جذباتی ہوتا ہے اس لئے سننے والوں کو سوچنے کا موقع ہی نہیں ملتا اور عام قلوب و اذہان غیر محسوس طور پر ایک خاص سمت کی طرف مڑتے جاتے ہیں۔ اور ان کے دل میں یہ خیال بیٹھتا جا رہا ہے کہ روس تو روس، ہندوستان بھی ایک جنتِ ارضی بن چکا ہے اور وہاں دودھ اور شہد کی نہریں بہہ رہی ہیں۔ وہاں حسنات ہی حسنات ہیں۔ اس کے برعکس، پاکستان میں سیأت کے سوا کچھ نہیں۔ یہ عنصر کمیونسٹوں اور ان کے ہمنواؤں پر مشتمل ہے۔

دوسرا عنصر جو مذہب کی آڑ میں تخریب پیدا کر رہا ہے، وہ جماعتِ اسلامی اور ان کے متفقین کا ہے۔ ان کے اشتراکی [illegible] سے بھی کہیں گہری پڑتی ہے۔ اس لئے کہ مسلمان مذہب سے والہانہ عقیدت رکھتا ہے۔ ان کے ہاں روپے کی فراوانی ہے اور پراپیگنڈے کی تکنیک نازیوں اور کمیونسٹوں کی سی ہے۔ ان کا دعوےٰ یہ ہے کہ ہم ملک میں اسلامی دستور اور نظامِ شریعت چاہتے ہیں اور حکومت پوری پوری کوشش کر رہی ہے کہ یہاں اسلامی دستور نافذ نہ ہونے پائے۔ عوام سے یہ کہتے ہیں کہ تم تو بہت اچھے ہو لیکن یہ خواص کا طبقہ جن کے ہاتھ میں حکومت کی باگ ڈور ہے خالص طاغوتی طبقہ ہے جو شریعت کے نظام کو عام نہیں ہونے دینا چاہتا۔ غور کیجئے کہ اگر ایک مذہب پرست ملک میں برسہا برس تک اس خیال کو عام کیا جائے کہ حکومت، مذہب کی دشمن اور اسلامی نظام کی مخالف ہے تو لوگوں کے دلوں میں حکومت کے خلاف کس قدر نفرت اور عداوت کے جذبات پرورش پا جائیں گے انہوں نے حکومت کو اپنے مدمقابل ایک پارٹی قرار دے رکھا ہے یہاں تک کہ اگر کوئی شخص ان سے کسی مذہبی نظریہ میں بھی اختلاف کرے تو یہ جھٹ سے کہہ دیتے ہیں کہ یہ سب کچھ حکومت کے ایما سے ہو رہا ہے۔ مثلاً ملک کا ایک طبقہ ہے، جو حدیث کے متعلق ایک خاص نظریہ رکھتا ہے۔ جو (بظاہر) ان کے نظریہ سے مختلف ہے اس کے متعلق ان کا ارشاد یہ ہے کہ

> یہ جو آپ دیکھ رہے ہیں کہ حدیث اور سُنّت
> کے خلاف ملک میں ایک محاذ کھول دیا گیا ہے
> اور اسلامی نظامِ زندگی کے تمام مخالفین اس
> محاذ پر اکٹھے ہو رہے ہیں، حکومت بھی اس
> کی سرپرستی فرما رہی ہے۔

(ترجمان القرآن۔ اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۱۳۶)

چنانچہ ان کا یہ پروپیگنڈا بڑا کامیاب ہے اور خود حکومت کے دفاتر کے اندر تک اثرانداز ہو چکا ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ ملازمینِ حکومت تک اس بیباکی اور ڈھٹائی سے حکومت کا استہزاء اور سرکاری امور کا کھلے بندوں چرچا کرتے ہیں کہ صاف نظر آتا ہے کہ یہ ایک مخالف جماعت کے افراد ہیں جو ایک خاص سازش کے ماتحت دفتروں میں گھسے ہوئے ہیں۔

یہ تو ہیں ان تخریبی عناصر کی کارستانیاں۔ اس کے برعکس حکومت ان کے استیصال کے لئے کیا کچھ کر رہی ہے۔۔۔ اس کے متعلق ملک کو کچھ علم نہیں بجز اس کے کبھی کبھار اس قسم کی آواز بلند ہو جاتی ہے کہ ملک میں دشمنوں کے کارندے ہر جگہ پھیل رہے ہیں۔ ان سے ہوشیار رہنا۔ اس خطرے کی گھنٹی کی آواز آج پہلی مرتبہ ہمارے کانوں تک نہیں پہنچی۔ یہ تو پاکستان بننے کے ساتھ ہی شروع ہو گئی تھی۔ چنانچہ ۱۹۴۸ء میں اس کا اعلان ہوا تھا کہ ملک میں اس قسم کے تخریبی عناصر مصروفِ کار ہیں۔ قارئین کو یاد ہوگا کہ طلوعِ اسلام نے اس پر یہ کہا تھا کہ اس قسم کے مبہم اعلانات سے ملک ان تخریبی عناصر کے مذموم اقدامات سے محفوظ نہیں ہو سکتا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ حکومت واضح طور پر بتائے کہ فلاں فلاں گروہ ملک کا دشمن ہے اور حکومت ان کے استیصال کے لئے یہ کچھ کر رہی ہے۔ لیکن حکومت نے غالباً ان اعلانات ہی کو کافی سمجھا۔ نتیجہ اس کا یہ کہ اس سات آٹھ سال کے عرصہ میں اس تخریبی گروہ نے پورے ملک میں اپنا جال بچھا لیا ہے۔ کمیونسٹ پارٹی کو چونکہ خلافِ قانون قرار دے دیا گیا ہے۔ اس لئے اس کے متعلق تو ہم وثوق سے کہہ نہیں سکتے لیکن جماعتِ اسلامی کے متعلق تو ایک اندھا بھی دیکھ سکتا ہے کہ یہ کس بُری طرح ملک پر چھا گئی ہے۔

ہم نہیں کہہ سکتے کہ حکومت اب بھی ان تخریبی عناصر کے استیصال کے لئے کیا کچھ کرنا چاہتی ہے۔ انہی دنوں ڈاکٹر خان صاحب نے ایک پریس کانفرنس میں فرمایا کہ وہ خلافِ مملکت سرگرمیوں کو برداشت نہیں کریں گے اور کسی ایسے فرد کا لحاظ نہیں کریں گے جو ان کا مرتکب ہو گا۔ گورنر جنرل صاحب نے بھی ایک حالیہ تقریر میں فرمایا کہ جو لوگ پاکستان کے وفادار نہیں انہیں حق حاصل ہے کہ وہ اس ملک کو چھوڑ کر چلے جائیں۔ یہ پند و نصائح اپنی جگہ بجا و درست ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ جو لوگ پاکستان میں آئے ہی اس غرض سے ہیں کہ یہاں انتشار پھیلائیں وہ از خود اس ملک کو چھوڑ کر دوسری جگہ جائیں گے کیوں؟ انہیں یہاں سے نکالنے کے لئے جب تک حکومت خود کچھ نہیں کرے گی ان کا استیصال نہیں ہو سکے گا۔

اس کے ساتھ ہی حکومت کو ایسی تدابیر بھی اختیار کرنی چاہئیں جو ایسے عناصر کا کامیاب ہونا ناممکن بنا دیں۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ ملک کے باشندوں میں پاکستانی شعور پیدا کیا جائے۔ ملکی شعوریوں تو ہر ملک کے بقا کے لئے ناگزیر ہے لیکن پاکستان میں اس کی ضرورت اور اشد ہو جاتی ہے کیونکہ پاکستان نیا ملک ہے اور اس کا جداگانہ وجود ذہنوں پر پوری طرح مرتسم نہیں ہوا۔ اس کا مرتسم ہونا تو ایک طرف آلٹی مسلسل کوششیں ہو رہی ہیں کہ دل و دماغ کے دروازے اس کے لئے بند رہیں۔ ہمیں افسوس ہے کہ اس کے لئے مثبت طور پر کچھ نہیں کیا گیا۔ گھروں میں اس شعور کی بیداری کے سامان ہو سکے ہیں، نہ سکولوں میں، نہ اخبارات میں اس کے لئے کچھ کیا جاتا ہے، نہ ریڈیو کو اس مقصد کا ذریعہ بنایا جاتا ہے سکول ریڈیو اور اخبارات پاکستانی شعور کی بیداری میں بڑا کام کر سکتے ہیں لیکن ان سے یہ کام لینے کے لئے ان کی بنیادوں تک کو بدل دینا ہو گا۔ مثلاً اگر ہم سکولوں میں نصابِ تعلیم ایسا رکھیں جو پاکستانی شعور پیدا کرنے والا ہو تو ہمارے بچے صحیح معنوں میں پاکستانی ہوں گے۔ اسی طرح ریڈیو کو بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا اگر حکومت چاہتی ہے کہ پاکستان غیر ملکی ایجنٹوں کے شر سے محفوظ رہے تو اسے ان اساسی امور کی طرف فوری توجہ دینی چاہیئے۔ اگر اس نے محض اعلانات ہی پر اکتفا کیا تو جو کچھ آج کمیونسٹوں کے ہاتھوں ملایا اور برما میں، اور مذہبی "مقدسین" کے ہاتھوں مصر، ایران اور انڈونیشیا میں ہو رہا ہے، وہی کچھ یہاں ہونے لگ جائے گا۔

اسلامی معاشرت
از پرویز
قیمت دو روپے

تاریخی شواہد

(۳۸)

اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ جب اس قوم کے احبار و رہبان حضرت ابراہیمؑ کے مسکت دلائل اور مسکن مبنی شہادات کے سامنے لاجواب ہو گئے تو بجائے اس کے کہ اعتراف کر لیتے، انہوں نے عوام کے جذبات کو مشتعل کیا اور تجویز کیا کہ آپ کو زندہ آگ میں ڈال دیا جائے کیونکہ ان کے نزدیک بتوں کی توہین اور مسلک بت پرستی سے بغاوت، جرم عظیم تھا اور ایسے جرائم کی سزا اس کے سوا اور کیا ہو سکتی تھی کہ مجرم کو زندہ نذر آتش کر دیا جائے۔ سورۂ صٰفٰت میں ہے۔

قَالُوا ابْنُوا لَهُ بُنْيَانًا فَأَلْقُوهُ فِي الْجَحِيمِ (۳۷/۹۷)

وہ لوگوں نے کہا (بس بہت ہو چکی۔ اب) اس کے لئے ایک آتش خانہ بناؤ، اور دہکتی آگ میں اسے ڈال دو۔

انہوں نے یہ تدبیر کی لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی تدبیر کو خاک میں ملا دیا اور وہ اپنے مشئوم ارادوں میں خاسر و نامراد رہے۔

فَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَسْفَلِينَ ○ (۳۷/۹۸)

چنانچہ انہوں نے اس کے ساتھ ایک چال چلنے کا ارادہ کیا مگر ہم نے انہیں ہی نیچا دکھا کر چھوڑا (کہ ان کی تمام تدابیر کو خاک میں ملا دیا)

دیکھئے یہاں پھر فَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا کہا ہے۔ یعنی انہوں نے ابراہیم کے خلاف اس منصوبہ کا ارادہ کیا تھا۔ سچ مچ انہیں آگ کی بھٹی میں نہیں ڈال دیا تھا وہ ابھی اپنی تدبیروں میں لگے ہوئے تھے کہ حضرت ابراہیمؑ اس مقام سے ہجرت فرما کر دوسری جگہ تشریف لے گئے۔

فَقَالَ إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَىٰ رَبِّي سَيَهْدِينِ ○ (۳۷/۹۹)

اور (دیکھو) ابراہیم نے کہا۔ میں اس مقام کو چھوڑ کر وہاں جا رہا ہوں جہاں اس نظام ربوبیت خداوندی کی تشکیل کے لئے حالات زیادہ سازگار ہوں۔ مجھے امید ہے کہ میرا پروردگار وہاں میرے لئے بہت جلد کشادگی کی راہیں کھول دے گا۔

سورۂ عنکبوت میں ہے

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا اقْتُلُوهُ أَوْ حَرِّقُوهُ فَأَنْجَاهُ اللَّهُ مِنَ النَّارِ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ○ (۲۹/۲۴)

پس اس کی قوم کا اس کے سوا کوئی جواب ہی نہیں تھا کہ وہ کہنے لگے۔ ابراہیم کو قتل کر دو یا (زندہ) جلا دو۔ اللہ نے اسے آگ سے بچا لیا۔ بلاشبہ اس واقعہ میں اُن لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہوں (بڑی بڑی) نشانیاں (پنہاں) ہیں۔

اس واقعہ کو سورۂ انبیاء میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

قَالُوا حَرِّقُوهُ وَانْصُرُوا آلِهَتَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ فَاعِلِينَ ○ (۲۱/۶۸)

(انہوں نے (آپس میں) کہا اگر ہم میں کچھ بھی جمعیت ہے تو آؤ اس آدمی کو آگ میں ڈال کر جلا دیں اور اپنے معبودوں کا بول بالا کریں

اس کے بعد ایک آیت چھوڑ کر کہا۔

وَنَجَّيْنَاهُ وَلُوطًا إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا لِلْعَالَمِينَ ○ وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ ۖ وَيَعْقُوبَ نَافِلَةً ۖ وَكُلًّا جَعَلْنَا صَالِحِينَ ○ (۲۱/۷۱-۷۲)

اور دیکھو ہم نے اُسے اور اس کے بھتیجے لوط کو (دشمنوں سے) نجات دلا کر ایک ایسے ملک میں پہنچا دیا جسے قوموں کے لئے (رہنمائی) بابرکت ملک بنایا ہے (یعنی سرزمین کنعان) اور (پھر ہم نے اُسے (ایک فرزند) اسحاق عطا فرمایا اور مزید برآں (پوتا) یعقوب۔ ان سب کو ہم نے نیک کردار بنایا تھا۔

ان مقامات سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ اُس سرکش و متمرد قوم نے اپنے جوش انتقام میں یہ منصوبہ باندھا کہ حضرت ابراہیمؑ کو آگ کے انبار میں ڈال دیا جائے تاکہ ان کے معبود روز روز کی تحقیر و تذلیل سے محفوظ رہیں لیکن قبل اس کے کہ وہ ان پر ہاتھ ڈالتے آپ حکم خداوندی کے مطابق وہاں سے چپکے سے ہجرت کر گئے اور یوں وہ قوم اپنے ارادوں میں ناکامیاب رہی۔ جس طرح، جب اہل مکہ نے یہ سازش کی کہ نبی اکرمؐ کو رات کی تاریکی اور خاموشی میں قتل کر دیا جائے، آپ نے بحکم خداوندی مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی اور یوں قریش کے خفیہ منصوبے خاک میں مل گئے۔ توریت کے صفحات میں ہم حضرت ابراہیمؑ کو مع ان کے برادرزادہ (حضرت لوطؑ) اور آپ کی حرم محترم (حضرت سارہ) کے، مصر تک سفر کرتے دیکھتے ہیں جہاں کے بادشاہ نے اپنی بیٹی (حضرت ہاجرہ) کو آپ کے عقد میں دیا۔ اس کے بعد آپ نے فلسطین (کنعان) میں مستقل سکونت اختیار فرمائی۔ قرآن کریم میں اس ہجرت کے متعلق کئی ایک مقامات پر ذکر آیا ہے سورۂ مریم میں ہے

فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ ۖ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ○ وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِنْ رَحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ○ (۱۹/۴۹-۵۰)

پھر جب ابراہیم ان لوگوں سے اور ان سب سے جنہیں وہ اللہ کے سوا معبود مانتے تھے الگ ہو گیا تو ہم نے (اس کی نسل میں برکت دی اور) اُسے اسحٰق اور (اسحاق کا بیٹا) یعقوب عطا فرمایا۔ ان میں سے ہر ایک کو ہم نے نبوت دی تھی اور اپنی بخشش کی دولت سے سرفراز کیا تھا۔ نیز ان سب کے لئے سچائی کی صدائیں بلند کر دیں (جو کبھی خاموش ہونے والی نہیں۔)

سورۂ انبیاء میں ہے۔

وَنَجَّيْنَاهُ وَلُوطًا إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا لِلْعَالَمِينَ ○ وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ ۖ وَيَعْقُوبَ نَافِلَةً ۖ وَكُلًّا جَعَلْنَا صَالِحِينَ ○ (۲۱/۷۱)

ہم نے اسے اور (اس کے بھتیجے) لوط کو دشمنوں سے نجات دلا کر ایک ایسے ملک میں پہنچا دیا جسے قوموں کے لئے (رہنمائی) بابرکت ملک بنایا ہے (یعنی سرزمین کنعان)۔ اور (پھر) ہم نے اُسے (ایک فرزند) اسحاق عطا فرمایا اور مزید برآں (پوتا) یعقوب۔ ان سب کو ہم نے عمدہ صلاحیتوں کا مالک بنایا تھا۔

سورۂ عنکبوت میں آگ سے محفوظ رکھنے کے بعد کہا۔

فَآمَنَ لَهُ لُوطٌ ۘ وَقَالَ إِنِّي مُهَاجِرٌ إِلَىٰ رَبِّي ۖ إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ○ وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ وَآتَيْنَاهُ أَجْرَهُ فِي الدُّنْيَا ۖ وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ○ (۲۹/۲۶-۲۷)

چنانچہ لوط اس پر ایمان لایا اور ابراہیم نے کہا میں اپنے پروردگار (کی بتائی ہوئی راہ) کی طرف ہجرت کرتا ہوں۔ بلاشبہ وہ (ہر چیز پر) غالب اور (ہر کام میں) حکمت والا ہے اور ہم نے اسے اسحٰق اور یعقوب (جیسا بیٹا اور پوتا) عطا کیا۔ اور اس کی اولاد میں قیامت تک کے لئے (نبوت اور کتاب (کے سلسلہ) کو وقف کر دیا اور ہم نے دنیا میں بھی اس (کے نیک اعمال) کا اجر اُسے دے دیا (کہ تمام عالم انسانی کا اُسے امام بنا دیا) اور حقیقت یہ ہے کہ وہ آخرت میں بھی صالحین میں سے ہو گا۔

إِنِّي مُهَاجِرٌ إِلَىٰ رَبِّي کے ٹکڑے پر غور فرمایئے۔ سورۂ صٰفٰت میں اسی روح کو دوسرے الفاظ کا پیکر عطا ہوا ہے۔ جہاں فرمایا۔

وَقَالَ إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَىٰ رَبِّي سَيَهْدِينِ (۳۷/۹۹)

مجلسِ اقبال

مثنوی اسرارِ خودی

باب چہارم (مسلسل)

خود فرود آ از شتر مثلِ عمر
الحذر از منتِ غیر الحذر

تو اپنے کاموں میں کسی دوسرے کا محتاج نہ ہو۔ حتیٰ کہ اگر تو گھوڑے پر سوار ہو اور تیرے ہاتھ سے چابک گر جائے تو کسی دوسرے سے نہ کہہ کہ اس چابک کو اٹھا دو۔ گھوڑے سے خود نیچے اُتر اور اپنا چابک آپ اٹھا۔ جس طرح حضرت عمرؓ نے کیا تھا۔

تا بکے دریوزۂ منصب کنی
صورتِ طفلاں زِ نے مرکب کنی

تو کب تک جاہ و منصب کی تلاش میں دوسروں کے پیچھے مارا مارا پھرے گا۔ دوسروں کی عطا کی ہوئی منصب اپنے اندر حقیقی قوت نہیں رکھتی۔ اس کی حیثیت ایسی ہی ہے جیسے بچے ایک چھڑی کو اپنا گھوڑا بنا کر اپنے پاؤں چلتے جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ گھوڑے پر سوار ہیں۔ دوسروں کی عطا کی ہوئی قوت اور عزت اسی قسم کا بچوں کا کھیل ہے۔ اس کی حقیقی قیمت کچھ نہیں۔

فطرتے کو بر فلک بندد نظر
پست می گردد ز احسانِ دگر

انسان کی وہ فطرت بلند جو اپنی نگاہ کو آسمانوں سے بھی اونچا لے جاتی ہے اور انتہائی بلندیوں کو اپنا نصب العین سمجھتی ہے۔ وہ دوسرے شخص کے احسان سے پست ترین درجہ میں پہنچ جاتی ہے۔

از سوال افلاس گردد خوار تر
از گدائی گدیہ گر نادار تر

یہ ٹھیک ہے کہ انسان پر ایسے حالات بھی آ سکتے ہیں جن میں وہ مفلس ہو۔ لیکن محض مفلسی سے اس کی خودی پر کوئی حرف نہیں آتا۔ حرف اس وقت آتا ہے جب وہ اپنی مفلسی میں دوسروں کے سامنے دستِ سوال دراز کرتا ہے۔ گداگر بزعم خویش سمجھتا ہے کہ بھیک مانگنے سے اس کی احتیاج میں کمی آ جاتی ہے۔ حالانکہ اگر وہ نگاہ و بصیرت سے دیکھے تو دوسروں سے مانگنے سے جو کچھ اسے ملتا ہے وہ اسے نادار سے نادار تر بنا دیتا ہے۔ اسے روٹی کے چند ٹکڑے تو مل جاتے ہیں لیکن اس کی خودی کی متاعِ گراں بہا چھن جاتی ہے۔ اس لئے وہ درحقیقت پہلے سے بھی زیادہ نادار ہو جاتا ہے۔

از سوال آشفتہ اجزائے خودی
بے تجلی نخلِ سینائے خودی

سوال کرنے سے خودی کے اجزا پریشان ہو جاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک انسان کی قوتیں مجتمع رہتی ہیں اور ان میں انتشار واقع نہیں ہوتا اس کی خودی محکم رہتی ہے جب ان میں انتشار پیدا ہو جائے تو خودی ختم ہو جاتی ہے۔ اور یہ انتشار سوال سے پیدا ہوتا ہے۔ اس سے خودی کے نخلِ طور کی نور پاشیاں ختم ہو جاتی ہیں۔ لہذا اعتبار سے یہ ضروری ہے کہ

مشتِ خاکِ خویش را از ہم مپاش
مثلِ مہ رزقِ خود از پہلو تراش

یہ پیکرِ خودی خاک کے منتشر ذروں کی باہم پیوستگی سے قائم ہے۔ اگر یہ ذرے منتشر ہونا شروع ہو گئے تو تیری خودی باقی نہیں رہے گی۔ تو اپنا رزق دوسروں سے نہ مانگ اپنے اندر سے پیدا کر۔ جس طرح چاند خود اپنا پہلو تراش تراش کر اپنے لئے رزق پیدا کرتا ہے۔ ماہِ کامل کے آہستہ آہستہ گھٹنے سے یہ مضمون پیدا کیا گیا ہے کہ وہ اپنے پہلو سے اپنا رزق تراشتا رہتا ہے۔

گرچہ باشی تنگ روز و تنگ بخت
در رہِ سیلِ بلا افگندہ رخت
رزقِ خویش از نعمتِ دیگر مجو
موجِ آب از چشمۂ خاور مجو

تجھ پر خواہ کتنی ہی تنگی کیوں نہ آ جائے۔ تو کتنا ہی بدنصیب کیوں نہ ہو جائے۔ تجھے مصائب چاروں طرف سے کیوں نہ گھیر لیں۔ لیکن تو اپنا رزق کسی دوسرے سے مت طلب کر۔ دوسرے سے رزق مانگنا ایسا ہی ہے جیسا کوئی شخص چشمۂ آفتاب سے پانی کی موج طلب کرے۔ وہاں سے تپش و سوز ملیگا آبِ خنک کیسے مل سکتا ہے؟ تو دوسروں کے سامنے اپنا ہاتھ مت پھیلا

تا نباشی پیشِ پیغمبر خجل
روزِ فردائے کہ باشد جاں گسل

تاکہ تو قیامت کے دن حضور سرورِ کائناتؐ کے سامنے شرمندہ نہ ہو، کہ ان کی اُمت کے ایک فرد نے غیروں کے سامنے جھولی پھیلائی تھی۔

ماہ را روزی رسد از خوانِ مہر
داغ بر دل دارد از احسانِ مہر

ہم دیکھتے ہیں کہ چاند کے اندر ایک سیاہ دھبہ ہے۔ اقبال کہتے ہیں کہ تمہیں معلوم ہے کہ اس داغ کی وجہ کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ چاند میں از خود روشنی نہیں ہوتی۔ وہ اپنی روشنی کو سورج سے مستعار لیتا ہے۔ اس سے اس کی پیشانی داغدار ہو رہی ہے۔

ممکن ہے کہ آپ کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ ابھی چار اشعار اوپر یہ کہا گیا تھا کہ چاند اپنا رزق خود اپنے پہلو سے تراش کر حاصل کرتا ہے اور یہاں یہ کہا گیا ہے کہ چاند کی پیشانی داغدار اس لئے ہے کہ وہ سورج سے اپنی روشنی (رزق) مستعار لیتا ہے۔ شاعری میں یہ سب چیزیں روا سمجھی جاتی ہیں۔ شاعر ایک ہی چیز سے مختلف اوقات پر مختلف مطالب اخذ کرتا ہے اور مختلف استعارات سے اپنے مقصد پیشِ نظر کی تائید حاصل کرتا ہے۔

یہ چیز محض ضمناً کہہ دی گئی ہے۔ اس کے بعد وہ کہتے ہیں۔

ہمت از حق خواہ و با گردوں ستیز
آبروئے ملتِ بیضا مریز

اگر تجھے ناساعد حالات نے چاروں طرف سے گھیر لیا ہے تو تو خدا سے ہمت طلب کر اور ان حالات سے نبرد آزما ہو جا۔ ان کے سامنے سپر ڈال کر غیر کے آگے ہاتھ پھیلانے سے اس امتِ شریفہ کو بے آبرو نہ کر۔

آنکہ خاشاکِ بتان از کعبہ رفت
مرد کاسب را حبیب اللہ گفت

رسول اللہؐ کہ جنہوں نے خانۂ کعبہ کو بتوں سے پاک کیا تھا۔ نے فرمایا کہ محنت کرنے والے خدا کے دوست ہوتے ہیں۔ آپ نے فقر کو کفر کے قریب قرار دیا ہے اور سوال کرنے کو بدترین لعنت۔

وائے بر منت پذیرِ خوانِ غیر
گردنش خم گشتۂ احسانِ غیر

کس قدر قابلِ افسوس ہے اس کی حالت جو دوسروں کا احسان اٹھا کر ان کے دسترخوان سے روٹی کھاتا ہے۔ اس طرح اس کا پیٹ تو بھر جاتا ہے لیکن وہ اپنی گردن کو اونچا نہیں کر سکتا۔

خویش را از برقِ لطفِ غیر سوخت
با پشیزے مایۂ غیرت فروخت

ایسا شخص اپنی متاعِ حیات کو دوسروں کے احسان کی بجلیوں کے سامنے رکھ دیتا ہے جو اسے جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیتی ہیں۔ وہ اپنی غیرت و حمیت کو کوڑیوں کے بھاؤ بیچتا ہے۔

اے خنک آں تشنہ کاندر آفتاب
می نخواہد از خضر یک جامِ آب

کس قدر خوش بخت ہے وہ انسان جو چلچلاتی دھوپ میں سخت پیاسا کھڑا ہو۔ لیکن اس کے باوجود خضر سے پانی کا پیالہ نہ مانگے۔

حیاتِ جاوید

(از رشید احمد صدیقی)

[ہمارے دور میں جن ارباب فکر و عمل نے مسلمانوں کے معاشرے میں نمایاں انقلاب پیدا کیا ہے۔ ان میں سرسید کا نام ممتاز جگہ پر نظر آئے گا۔ افسوس ہے کہ مسلمانوں کے اس بطلِ جلیل کے صحیح مقام اور اس کی خدمات کے متعلق ہماری موجودہ نسل کو بہت کم معلومات حاصل ہیں۔ حالی نے 'حیات جاوید' میں سرسید کی سوانح عمری لکھی تھی لیکن وہ کتاب بھی اب نایاب ہے۔ علی گڈھ یونیورسٹی کے پروفیسر رشید احمد صدیقی صاحب نے "حیاتِ جاوید" کے تعارف کے سلسلہ میں ایک نیم تنقیدی سا مضمون لکھا ہے جسے ہم ہندوستان کے اخبار 'مدینہ' کے شکریہ کے ساتھ ذیل میں درج کرتے ہیں۔ اگرچہ اس مضمون میں 'حیات جاوید' کے مختلف پہلوؤں کو سامنے نہیں لایا گیا۔ لیکن اس سے اس کتاب اور سرسید کا تھوڑا بہت تعارف تو ضرور ہو جاتا ہے۔ ایں ہم غنیمت است۔ طلوع اسلام]

حیات جاوید سرسید احمد خاں کی سوانح عمری ہے جو انیسویں صدی کے نصف آخر کے مسلمانوں کے مسلم سردار مانے گئے ہیں جن کی خدمات کا سب سے بہتر اور بڑا نمونہ علی گڈھ کی وہ درسگاہ ہے جو مسلم یونیورسٹی کے نام سے مشہور ہے۔ اس کتاب کے مصنف مولانا الطاف حسین حالی ہیں جو اپنے عہد کے نہایت درجہ شریف اور دردمند انسان ہونے کے علاوہ اعلیٰ پایہ کے شاعر، نقاد، اور سوانح نگار مانے گئے ہیں۔ حیات جاوید ۱۸۹۳ء میں لکھی جانی شروع ہوئی۔ اور سرسید کی وفات کے تین سال بعد ۱۹۰۱ء میں ختم ہوئی۔ میرے سامنے جو ایڈیشن ہے اسے ۱۹۳۶ء میں انجمن ترقی اردو ہند نے دہلی سے شائع کیا تھا۔ متوسط سائز پر طبع ہوئی ہے۔ اور صفحات کی تعداد مع ضمیمہ جات کے کم و بیش چھ سو ہے۔

'حیات جاوید' میں سرسید کے خاندان، ان کی زندگی کے حالات اور سرکاری ملکی، قومی، مذہبی، ادبی خدمات تفصیل سے بیان کی گئی ہیں۔ سرسید کی پیدائش سے وفات یعنی ۱۸۱۷ء سے ۱۸۹۸ء تک کا عہد کیا تھا؟ مسلمان کس حالت سے کس حالت کو پہونچ گئے تھے؟ سرسید ان سے کس طرح عہدہ برآ ہوئے۔ ان سب کا حال کتاب کی ضرورت کے مطابق بیان کیا گیا ہے۔ کتاب کے دو حصے ہیں۔ پہلے میں سرسید کی زندگی کے تمام واقعات اور ان کی خدمات ابتدا سے آخر تک ترتیب وار بلحاظ تاریخ بیان کی گئی ہیں۔ دوسرے میں ان کی زندگی اور ان کی خدمات پر تبصرہ ہے۔ چنانچہ یہ کہنا بے محل نہ ہوگا کہ سرسید کی سیرت و شخصیت اور ان کی بیش بہا خدمات پر حیات جاوید ایک طور پر اس وقت تک سب سے اہم اور مکمل تصنیف ہے۔

اس کتاب کے بارے میں شبلی کی رائے یہ ہے:۔

اس میں سرسید کی شان میں قصیدہ پڑھا گیا ہے صرف ان کے ہنر گنائے گئے ہیں۔ ان کے عیب کا کہیں ذکر نہیں یہی نہیں بلکہ کتاب کے دوسرے حصہ کو بقول نواب حبیب الرحمٰن خاں صاحب شیروانی، شبلی نے حالی کی محنت کی "تماشاگاہ" بتایا ہے۔ سرسید سے حالی اور شبلی، دونوں کا نہایت گہرا اور براہ راست تعلق رہا ہے۔ یہی نہیں بلکہ حالی اور شبلی ایک دوسرے کے بڑے دوست تھے۔ اسکے علاوہ علامہ شروانی نے جو مضافات علی گڈھ کے بہت بڑے رئیس اور علوم شرقیہ میں بڑا درک رکھتے تھے۔ مدرسۃ العلوم سرسید اور ان کی خدمات کو بہت قریب سے دیکھا اور پرکھا تھا۔ انھوں نے سرسید کی وفات سے چھ سال بعد اور 'حیات جاوید' کی اشاعت کے چار سال بعد 'حیات جاوید' پر مفصل نکتہ چینی کی تھی۔ ان باتوں کے پیش نظر شبلی اور شروانی کے اعتراضات کو آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

"حیات جاوید" کے دیباچہ میں حالی نے لکھا ہے۔

"اگرچہ ہندوستان میں جہاں ہیرو کے ایک عیب یا خطا کا معلوم ہونا اس کی تمام خوبیوں اور فضیلتوں پر پانی پھیر دیتا ہے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ کسی شخص کی بیوگرافی کریٹیکل طریقہ پر لکھی جائے۔ اس کی کمزوریاں بھی دکھائی جائیں۔ اور اس کے عالی خیالات کے ساتھ اس کی لغزشیں بھی ظاہر کی جائیں چنانچہ اسی خیال سے ہم نے جو دو ایک مصنفوں کا حال اب سے پہلے لکھا ہے۔ اس میں جہاں تک ہمیں معلوم ہو سکیں انکی اور ان کے کلام کی خوبیاں ظاہر کی ہیں۔ اور ان کے پھوڑوں کو کہیں ٹھیس نہیں لگنے دی۔ لیکن اوّل تو ایسی بیوگرافی چاندی سونے کے ملمع سے کچھ زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ اس کے سوا؟ ان ہی لوگوں کے حال سے زیادہ مناسبت رکھتی ہے جنھوں نے اس موج خیز اور پُر آشوب دریا کے منجدھار میں اپنی ناؤ نہیں ڈالی۔ اور کنارے کنارے ایک گھاٹ سے دوسرے گھاٹ صحیح سلامت جا اترے۔ ان کو سب نے بھلا جانا۔ کیونکہ ان کو کسی کی بھلائی یا برائی سے کچھ سروکار نہ تھا۔ وہ کہیں راستہ نہیں بھولے۔ کیونکہ انھوں نے اگلی بھیڑوں کے لیک سے کہیں ادھر ادھر قدم نہیں رکھا۔ لیکن ہم کو اس کتاب میں ایسے شخص کا حال لکھنا ہے۔ جس نے چالیس برس برابر تعصب اور جہالت کا مقابلہ کیا ہے۔ جس نے تقلید کی جڑ کاٹی ہے بڑے بڑے علماء اور مفسرین کو للکارا ہے۔ اماموں اور مجتہدوں سے اختلاف کیا ہے قوم کے پکے پھوڑوں کو چھیڑا ہے۔ اور ان کو کڑوی دوائیں پلائی ہیں۔ جس کو مذہب کے لحاظ سے ایک گروہ نے صدیق کہا ہے۔ تو دوسرے نے زندیق خطاب دیا ہے۔ اور جس کو پالیٹکس کے لحاظ سے کسی نے ٹائم سرور سمجھا ہے۔ اور کسی نے نہایت راست باز لبرل جانا ہے۔ ایسے شخص کی لائف چپ چاپ کیسے لکھی جا سکتی ہے ضرور ہے کہ اس کا سونا کسوٹی پر کسا جائے۔ اس کا کھرا پن ٹھوک بجا کے دیکھا جائے۔"

آگے چل کر لکھتے ہیں:۔

"وہ ہم میں پہلا شخص ہے۔ جس نے مذہبی لٹریچر میں نکتہ چینی کی بنیاد ڈالی ہے۔ اس لئے مناسب ہے کہ سب سے پہلے اس کی لائف میں اس کی پیروی کی جائے۔ اور نکتہ چینی کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ دیا جائے۔ اگرچہ سرسید کے معصوم ہونے کا نہ ہم کو دعویٰ ہے۔ اور نہ اس کے ثابت کرنے کا ہم ارادہ رکھتے ہیں۔ لیکن اس بات کا ہم کو خود بھی یقین ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ اوروں کو بھی اس کا یقین دلائیں کہ سرسید کا کوئی کام سچائی سے خالی نہ تھا۔ اور اس لئے ضرور ہے کہ ان کے ہر ایک کام کو نکتہ چینی کی نگاہ سے دیکھا جائے۔ کیونکہ سچ میں اور صرف سچ میں ہی یہ کرامت ہے کہ جس قدر اس میں زیادہ کرید کی جاتی ہے اسی قدر اس کے جوہر زیادہ آب و تاب کے ساتھ ظاہر ہوتے ہیں۔"

حالی کے اس بیان پر علامہ شیروانی کے تبصرہ کا خلاصہ یہ ہے:۔

'حیات جاوید' حرف بہ حرف پڑھنے کے بعد اس امر کا افسوس سے اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ مصنف کا سارا زور یا سرسید کی حمایت میں صرف ہوا ہے یا مخالفین کو لتاڑنے میں پکے پھوڑوں کے چھیڑنے کی جگہ وہ ان سے بچ کر نکل گیا ہے چھوتا ہوا نکتہ چینی کے بارے میں یہ کہنا شاید مبالغہ نہ ہوگا کہ اس سے 'حیات جاوید' تقریباً خالی ہے۔ اس میں ہیرو کے محاسن نمایاں کرنے میں بڑے مبالغے سے کام لیا گیا ہے۔ سرسید کے مقابلے میں علمائے سلف کی خدمات کو جس طرح نظر انداز کیا گیا ہے۔ وہ صریحی بے انصافی ہے۔ یہ خیال غلط ہے کہ قدیم زمانہ میں علم نہایت محدود حلقے میں تھا۔ اور لوگ علوم کے ادنےٰ ادنےٰ مسائل سے بے بہرہ تھے۔ حالانکہ اس عہد کے علماء کے حلقۂ درس میں تیس تیس چالیس چالیس ہزار آدمی جمع ہو گئے تھے۔ اور استاد کی آواز پہونچانے کے لئے تین تین سو آدمی کھڑے ہوتے تھے۔ مولف حیات جاوید نے سرسید کے مخالفوں کو لتاڑنے میں اعتدال سے زیادہ سرگرمی سے کام لیا ہے حالانکہ ایسے بزرگ موجود تھے جو سرسید کے مذہبی خیالات کے سخت مخالف تھے۔ لیکن بقیہ باتوں میں اول سے آخر تک ان کے معاون رہے۔ اس میں بھی کلام ہے کہ سرسید کے جو احباب عالم تھے۔ ان میں سے کسی نے ان کی تفسیر کو مانا ہو۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ سرسید نے جن علوم کا باقاعدہ تمام عمر درس نہیں لیا اس میں تصنیف کرنے پر وہ کس طرح آمادہ ہو گئے۔ سرسید عربی کے ادیب نہ تھے۔ اس لئے قرآن کے مستند مفسر کیسے مانے جا سکتے ہیں خود نواب محسن الملک نے اس بارے میں سرسید کی کھلم کھلا مخالفت کی۔ اور طرفین کا مباحثہ اخبار میں شائع ہوتا رہا۔ کالج میں مذہبی تعلیم بالکل ویسی نہ تھی۔ جیسا کہ بیان کیا گیا ہے بلکہ سرسید کے عہد

سکریٹری شپ اور مسٹر بیک کی پرنسپلی کے زمانہ میں کالج میں جو چیز سب سے زیادہ غیر متہم بالشان تھی۔ وہ مذہبی تعلیم تھی۔ بہرحال بل کا پیش ہونا بھی سرسید کی بڑائی میں کوئی اضافہ نہیں کرتا۔۔ ۔۔۔ وغیرہ ۔۔۔۔"

حالی اور شروانی دونوں کے بیانات اپنی اپنی جگہ پر ایک حد تک صحیح ہیں۔ البتہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ حالی سوانح نگاری کی ذمہ داریوں سے ناآشنا تھے۔ وہ تو یہاں تک جانتے تھے کہ ہیرو کی خامیاں بتلانے سے اس کی خوبیاں اور اجاگر ہوتی ہیں یہ بھی صحیح ہے کہ سرسید کو عربی زبان پر اتنا عبور نہ تھا کہ وہ قرآن شریف کی تفسیر لکھنے پر آمادہ ہو جاتے۔ اور امور دین میں اجتہاد سے کام لیتے۔

سرسید کا یہ خیال بھی صحیح نہ تھا کہ ہر چیز کے ماننے کی کسوٹی صرف عقل ہے۔ لیکن سرسید کا زمانہ ایسا تھا کہ جب عقل اور مذہب خانوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ممکن ہے کہ عقل پر تمامتر زور دینا سرسید نے اپنے عہد کے مغربی رجحانات سے سیکھا ہو۔ اور مذہب کو نااہلوں کے ہاتھ میں کھلونا دیکھ کر ان کو مذہب کی عقلی تفسیر پیش کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی ہو جیسا کہ ہر زمانے میں ہر صاحب فکر و نظر کو محسوس ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں ایک بات خاص طور پر دھیان میں رکھنے کی ہے کہ مذہب کو تقاضائے وقت کے مطابق سمجھنے یا سمجھانے کا کام جب کسی اور کے بس کا نہ تھا تو سرسید کیا کرتے؟ بھلا یا برا اپنے حوصلے کے خود اس پر آمادہ ہو گئے۔ سرسید یہ دیکھتے تھے کہ بے شمار چھوٹے بڑے کام کرنے کے ہیں۔ لیکن کرنے والے دکھائی نہ دیتے تھے۔ اس لئے بے اختیار خود کرنے لگتے تھے۔ سوچئے تو طرح طرح کے کتنے اہم مسائل میں الجھے ہونے کے باوجود سرسید کو کیا پڑی تھی۔ کہ ہومیو پیتھک کے علاج پر رسالہ لکھ ڈالا۔

امور زندگی میں مذہب، سیاست، فن، ادب، آرٹ سماج سبھی آتے ہیں۔ زمانہ کے نئے تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے زندگی کے مقررہ اصول و آداب کو نئی تشکیل یا تغیر دینے کی ہمیشہ ضرورت سمجھی گئی ہے۔ قطع نظر اس سے کہ ہمارے آپ کے طریقہ فکر سے کوئی اتفاق کرے یا نہ کرے مذہب میں تحریف کرنے کا حق کسی کو نہ تھا۔ سرسید کو بھی نہ تھا۔ لیکن مذہب کو سمجھنے یا سمجھانے کی کوشش کرنا گناہ نہیں۔ بالخصوص ایسی حالت میں اور ایسے زمانہ میں جو سرسید کو ملا تھا۔ اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ جہاں مذہب کی پیروی کی جائے گی۔ وہاں مذہب معرض بحث میں ضرور آئے گا۔

سرسید خود بڑے مذہبی آدمی تھے۔ اور ان کی خاندانی روایات ان کی تعلیم و تربیت۔ ان کا گرد و پیش۔ ان کے احباب و رفقاء سب کے سب مذہبی تھے۔ اس لئے یہ کہنا کہ سرسید دین کو مسخ کرنا چاہتے تھے صحیح نہیں۔ سرسید کو کافر قرار دیئے جانے کی جیسی جد و جہد کی گئی۔ اسی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس زمانہ میں مذہب کا تصور کیا رہ گیا تھا۔

سرسید مغرب اور انگریز دونوں سے عہدہ برآ ہونا چاہتے تھے۔ ان دونوں کو اللہ کی لعنت سمجھ کر نہیں بلکہ وقت کا تقاضا یا ہماری آپ کی شامت اعمال سمجھ کر۔ قوموں پر ایسا وقت آتا ہے جب قوم کے سربراہ کے لئے ایسا کرنا ناگزیر ہو جاتا ہے۔ بقول ایک فاضل کے حالی سرسید کے خیالات سے متفق رہے ہوں یا نہیں سرسید کی خدمات اور خلوص کے قائل تھے۔ حالی سرسید کے اصول اور کاموں کو ان کی ذات یا شخصیت پر ترجیح دیتے تھے اس کے ساتھ ساتھ یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ ادب برائے ادب ماننے کی بات نہیں تو سوانح عمری بھی برائے سوانح عمری کیوں؟ میں شاعر، ادیب یا فن کار کو تیجا ورجسٹ یا ازوسٹ نہیں مانتا۔ اس کو حسن کار اور معلم اخلاق جانتا ہوں حالی سرسید کی خدمات کو سرسید کی کمزوریوں سے زیادہ قیمتی سمجھتے تھے۔

قوموں پر اکثر ایسا وقت آیا ہے جب اچھے اور بڑے لیڈر کو قوم کی جان و مال و آبرو کے بچانے میں بہت سی ایسی باتوں کو نظر انداز یا اختیار کرنا پڑتا ہے جن کا نارمل حالات میں نظر انداز کرنا یا اختیار کرنا نا روا اور ناقابل معافی ہوتا۔ لیڈر عموماً غیر معمولی حالات کی پیداوار ہوتا ہے۔ اس لئے اس کی خوبیاں اور خامیاں بھی غیر معمولی ہوتی ہیں۔ ان خوبیوں اور خامیوں کو انہیں غیر معمولی حالات کی روشنی میں دیکھنا چاہئے۔ حالی سرسید اور حیات جاوید تینوں کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ اس زمانہ کو مدنظر رکھا جائے جس میں ان کا ظہور ہوا۔

مغلیہ سلطنت کا شیرازہ بکھر چکا تھا۔ انگریزی حکومت برسر کار آ چکی تھی۔ مغربی انداز و افکار زندگی میں تیزی کے ساتھ راہ پا رہے تھے۔ ملک میں طرح طرح کی نئی طاقتیں ابھر رہی تھیں یہ طاقتیں تاریخی اور معاشی عوامل کی پیدا کی ہوئی تھیں۔ انگریزی حکومت کی بساط پر طرح طرح کے کھیل کھیلے جا رہے تھے ملک میں قومیت کا قدیم اور تجارت کا جدید تصور سر ابھار رہا تھا ان حالات کے ماتحت حالی جیسا دردمند سرسید پر نکتہ چینی کیسے کر سکتا تھا جب کہ وہ ان کو مسلمانوں کا وقت کا سب سے بڑا نجات دہندہ سمجھتے تھے۔

سوانح نگاری کوئی ایسا حادثہ تو نہیں جو بے سان گمان آسمان سے نازل ہو گیا ہو۔ وہ انسانی زندگی کا علم ہے۔ علم ہی نہیں ایک طرح کا صحیفۂ اخلاق یا صحیفۂ عبرت بھی ہے اس کے اصول و قانون۔ ریاضی اور طبیعات کی مانند اٹل نہیں ہوتے۔ اس لئے ہر علم و فن کی مانند سوانح نگاری کو بھی انسانیت کی تکریم و تقدیس کا آلہ بننا چاہیئے۔ سرسید میں یقیناً خامیاں تھیں۔ اور ان کی بعض کارروائیوں سے حالی نیز سرسید کے بعض مقربین کو سخت اختلافات بھی تھا۔ اس کا تذکرہ حیات جاوید میں آیا ہے۔ لیکن ان کے مقابلہ میں خوبیاں اتنی زیادہ اور سرسید کا خلوص اس درجہ متیقن تھا کہ ان خامیوں پر زور دینے کی اتنی ضرورت نہ سمجھی گئی۔ سرسید نے جس اخلاص، قابلیت، جانکاہی اور سرفروشی سے کم و بیش پچاس سال قوم کی خدمت کی۔ اور اس کو حوصلہ مند بنا دیا۔ اس کا اقتضا تھا کہ ان کی خامیوں کو جو یقیناً بنیادی نہ تھیں اہمیت نہ دی جاتی اور حالی نے یہی کیا۔

مذہب کا معاملہ کچھ ایسا ہے اور قوموں کی زندگی میں ایسے مواقع آئے ہیں۔ اور آیا کرتے ہیں جب یہ حکم لگانا آسان نہیں ہوتا کہ امور مذہب میں اختلاف رائے رکھنے والوں میں مذہب کا دوست کون تھا اور کون نہیں۔ مذاہب آسمان سے اترے ہوں یا نہیں اترے بہرحال دنیا والوں پر ہیں۔ اور دنیا والوں کے لئے ہیں۔ اب اگر دنیا والے اس میں اپنی صلاح و فلاح ڈھونڈنے کی کوشش کریں تو اپنی اپنی نیت کے اعتبار سے نفرین یا تحسین کے مستحق ٹھہریں گے لیکن تاویل کا دروازہ کبھی بند نہیں رکھا جا سکیگا۔ اور نہ رکھنا چاہیئے۔ بذات خود میں کچھ ایسا سمجھتا ہوں کہ بنیادی عقائد سے قطع نظر مذہب کو زندگی اور زمانہ کی مقتضیات کی روشنی میں سمجھنے اور سمجھانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ سرسید نے ایسا کیا۔

"حیات جاوید" کا سب سے بڑا امتیاز جیسا کہ میں نے ابتدا میں ہی عرض کیا یہ ہے کہ اس کا مصنف اور اس کا ہیرو دونوں اپنے وقت کی بڑی بزرگ اور اہم ہستیاں تھیں۔ اس کے علاوہ یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ اس سے پہلے اس طرح کی سوانح عمری نہیں لکھی گئی تھی۔ شبلی نے حالی سے پہلے "ہیروز آف اسلام" سلسلہ کی سوانح عمریاں لکھیں۔ انکی نوعیت بالکل جداگانہ تھی۔ ان کے ہیرو ہم سے بہت دور زمانے کے ہیں۔ اور ایک طور پر نکتہ چینی سے بلند بالا لئے گئے ہیں جو حالات و واقعات اُن سے منسوب کئے جاتے ہیں بربنائے عقیدت ہم ان کو صحیح مانتے ہیں۔ "حیات جاوید" سرسید کی ہی زندگی میں لکھی جانی شروع ہوئی اور وفات کے تین سال بعد شائع ہو گئی۔ سرسید اور حالی سے براہ راست واقفیت رکھنے والے ابھی موجود ہیں ظاہر ہے اس سبب سے "حیات جاوید" پر جیسی کڑی تنقید کئے جانے کا امکان ہے۔ شبلی کے "ہیروز آف اسلام" پر نہیں۔

بی پی
ڈبل وی ٹی
جسم کو
توانائی
بخشتی
ہے

ہندوستان کی نئی صوبائی حدبندی

زمانے کے انقلابات بھی عجیب ہوتے ہیں۔ جس حال میں کہ پاکستان افتراق و تشتت کی بساط تہ کر کے وحدت و استحکام کے ایک انقلاب انگیز تجربے کی طرح ڈال چکا تھا، ہندوستان میں علاقائی رقابت اور لسانی تصادم کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ منصوبہ وحدت کی تشکیل و تعمیل پر وقت تو صرف ہوا، لیکن یہ کچھ ہوا، ایک قاعدے اور ڈھنگ کے مطابق۔ یہ اخبارات کے صفحات پر اور سیاسی لیڈروں کے مابین ہی موضوع بحث نہیں بنا بلکہ موجودہ صوبائی اسمبلیوں اور نمائندہ اداروں نے بھی اسے جمہوری طریق سے منظور کیا۔ اس منظوری کے بعد یہ منصوبہ مجلس دستور ساز میں آیا، کیونکہ از روئے آئین صوبوں کے خاتمے کا فیصلہ یہیں سے صادر ہو سکتا تھا۔ ہندوستان یہ دیکھ رہا تھا، اور وقف التہاب تھا کہ منتشر صوبائیت کے روز افزوں مظاہروں سے وحدت و یگانگت کا عمل کیسے ابھر آیا۔ یہ منظر اسے ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا مگر اس میں اس کے لئے مخالفت کا ایک پہلو بھی نہیں ملتا تھا۔ ہندوستانی اخبارات نے بہت سر مارا تو انہیں وحدت مغرب میں یہ "عیب" نظر آیا کہ اس کو عوام سے استصواب کئے بغیر حکومت کے زور پر مسلط کیا جا رہا ہے۔

خدا کی شان اس نکتہ چینی کی سیاہی بھی ہنوز خشک نہ ہونے پائی تھی کہ ہندوستان خود اسی مرحلے میں آ پہنچا جس سے پاکستان بخیر و خوبی گذر چکا تھا۔ ۱۴ اکتوبر کو مغربی پاکستان کے متحدہ صوبے کا قیام عمل میں آیا۔ اس سے چار دن پیشتر یعنی ۱۰ اکتوبر کو صوبائی حدبندی کی نئی تجاویز شائع ہوئیں۔ یہ تجاویز اس کمیشن نے پیش کی تھیں جو ۲۹ دسمبر ۱۹۵۳ء کو مقرر ہوا تھا اور گذشتہ دو سال سے ضروری معلومات و شہادات جمع کرتا چلا آ رہا تھا۔ اس کمیشن نے جن مزعومہ اصولوں کی بناء پر اپنی سفارشات پیش کیں انہوں نے ہندوستان میں عجیب ہنگامہ بپا کر دیا ہے۔ ترتیب نو کی ضرورت ثابت کرتے ہوئے رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ موجودہ صوبے انگریز نے اپنی مصلحتوں کی بناء پر بنائے تھے۔ اور ان کی حدود انہیں کے استعماری تقاضوں کو پورا کرتی تھیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ تحدید نو ایسی انداز کی جائے کہ اس سے معتدبہ اکثریت کی دلجمعی ہو جائے اور ملکی وحدت بھی برقرار رہے۔ اصول اپنی جگہ درست، لیکن اس کے مطابق جو نئی حدود تجویز کی گئی ہیں۔ ان سے شاید ہی کوئی علاقہ یا فریق ہوگا جو مطمئن ہوگا۔ اطمینان تو ایک طرف الٹا ایک ایسا فتنہ کھڑا ہو گیا ہے۔ جس نے ملک کی وحدت اور سالمیت کے لئے کڑی آزمائش کا موقع بہم پہنچا دیا ہے یہ محض اتفاق نہیں کہ رپورٹ شائع ہونے کے بعد صدر راجندر پرشاد اور وزیر اعظم پنڈت نہرو نے خاص طور پر اپیلیں کی ہیں کہ ملک کی اساسی وحدت کو پیش نظر رکھا جائے اور نقصان نہ پہنچایا جائے۔

چونکہ بعض صوبوں میں خصوصیت سے مجوزہ حدبندی کی شدید مخالفت ہو رہی ہے۔ اور متضاد مطالبات کی تکمیل کے لئے انتہائی قربانی تک دینے کا اعلان کیا جا رہا ہے۔ اس لئے فیصلہ یہ کیا گیا ہے کہ رپورٹ کو صوبائی اسمبلیوں میں پیش کرنے کی بجائے مرکزی اسمبلی میں پیش کیا جائے۔ یہ جمہوری پگڈنڈی اس لئے اختیار کی جا رہی ہے کہ عام راستوں پر صوبائی مخالفتوں کے جو بے شمار کانٹے بکھرے پڑے ہیں، ان سے تلوے زخمی نہ ہو جائیں۔ یہ فیصلہ صوبائی وزرائے اعلیٰ کی خفیہ کانفرنس میں کیا گیا۔ اس کے لئے نہ تو صوبوں سے مشورہ کیا گیا اور نہ ان عناصر سے استصواب کرنا ضروری سمجھا گیا جو مختلف وجوہ کی بناء پر کمیشن کی سفارشات سے مطمئن نہیں۔ اور ان میں اساسی تبدیلیاں چاہتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ اس کے لئے آئین تک کو بدل دیا جائے گا۔ یعنی آئین کی اس شق میں ترمیم کر دی جائیگی جس کی رو سے مرکزی اسمبلی براہ راست اس مسئلہ کا فیصلہ کرنے کا مجاز نہیں۔ ہندوستانی حالات کے مبصر جانتے ہیں کہ اگر صوبائی اسمبلیوں میں یہ رپورٹ زیر بحث آئے تو اس کے منظور ہونے کا سوال ہی پیدا نہ ہو۔ مرکز سے جلد از جلد منظور کرا کے تجاویز پر عمل درآمد کرنے میں مصلحت یہ بتائی جا رہی ہے کہ جنوری ۱۹۵۷ء میں دوسرے انتخابات عامہ شروع ہوں گے۔ لہٰذا یہ مناسب نہیں ہوگا کہ تجاویز کو انتخابی الیشوع بنایا جائے۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ انہیں کم سے کم وقت میں نافذ بلکہ بالفاظ صحیح تر مسلط کیا جائے۔ پنڈت نہرو کے دست راست پنڈت پنت نے یہ تجویز بھی پیش کی ہے کہ تجاویز کو مرکز سے پاس کرا کے نافذ کر دیا جائے۔ اور جمہوری اصولوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے صوبائی اسمبلیوں کو توڑ دیا جائے۔ نہ صرف یہ کہ صوبائی اسمبلیوں کو بحث کا موقعہ نہ دیا جائے۔ بلکہ ان کو توڑ کر ان کی زبان بندی کر دی جائے۔ نیز اس کے بعد صوبوں میں جو گڑبڑ ہو لے۔ مرکز براہ راست کھل کے جمہوریت کا ڈھنڈورہ پیٹنے والا۔ اور پاکستان کو جمہوریت کا سبق دینے والا آج خود کس "جمہوری" مشکل میں پھنس گیا ہے۔ پاکستان اس پر اور کیا کہہ سکتا ہے کہ۔ "انتقام خاک درویشے نگر!"

کمیشن کی تجاویز کا جائزہ لینے سے قبل اس کے پس منظر کو نگاہ میں رکھنا ضروری ہے۔ جس نے کمیشن کے تقرر کو ناگزیر بنا دیا اور نہرو حکومت کو مجبور کر دیا کہ وہ بھڑوں کے اس چھتے کو ضرور چھیڑے۔ مسلمانوں کی آمد سے پہلے ہندوستان ایک ملک نہیں تھا۔ اس خطہ ارض میں کئی قومیں بستی تھیں جو ایک دوسرے سے دست و گریباں تھیں۔ یا ایک عرصہ دست و گریباں رہ کر جداگانہ دوائر میں منقسم ہو گئی تھیں۔ مسلمان فاتحین نے ان علاقوں کو فتح کیا تو انتظامی مصالح کے تحت انہیں مربوط و منسلک کرتے گئے۔ اس طرح تمام مفتوح علاقے ایک ملک بن گئے۔ مسلمانوں کے بعد انگریز آئے تو انہوں نے بھی ہندوستان کو ایک رکھا۔ لیکن ہندوستان کی وحدت میں تخریب کی کچھ ایسی صورت مضمر تھی کہ ان کی قوت کے باوجود وہ ایک نہ رہ سکا۔ اس سے سیلون علیحدہ ہوا۔ برما کٹ گیا۔ پاکستان معرض وجود میں آ گیا۔ اب جب ہندوستان آزاد ہو کر اس قوت سے محروم ہو گیا ہے۔ جو اسے متحد کرنے اور رکھنے کی ضامن تھی تو دیکھنا ہے کہ بھارت ماتا کہاں تک "دبستان اقوام" ثابت ہوتی ہے۔

بہرکیف جب ہندو کانگریس نے انگریز سے سیاسی حقوق حاصل کرنے کی تحریک شروع کی تو اس نے دیکھا کہ مختلف حصص ملک مشترکہ دشمن کے خلاف پوری طرح ایک دوسرے کی معاونت نہیں کر رہے ہیں۔ اس کی دراصل وجہ یہ تھی کہ ہندوستان کے عناصر ترکیب پوری طرح گھل مل نہیں گئے تھے۔ وہ گھل مل جانا بھی نہیں چاہتے تھے۔ ان عناصر کا تعارف بیشتر زبان سے تھا۔ ہندوستان کی لسانی تقسیم کا سوال ابھرنا شروع ہوا۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ غیر ملکی حکمرانوں کے دم سے صدیوں متحد رہنے کے باوجود اہل ہندوستان ایک نہیں بن سکے۔ اور پہلے قدم پر ہی ان میں اختلافات رونما ہوئے۔ کانگریس نے یہ خطرہ بھانپا تو اس نے لسانی بنیاد پر تقسیم نو کے وعدے شروع کئے۔ کانگریس نے یہ وعدہ ہی نہیں کیا۔ بلکہ اپنی کمیٹیوں کی تقسیم کم و بیش انہی اصولوں پر کر دی۔ اس طرح متضاد مفادات ایک دوسرے کے معاون بنتے گئے۔ جب ہندوستان آزاد ہوا تو پنڈت نہرو اور ان کی جماعت نے وحدت کے نام پر لسانی تحدید کے مطالبہ کو پس پشت ڈالنا شروع کر دیا۔ کیونکہ انہیں خطرہ لاحق ہو گیا تھا کہ جیسے پاکستان علیحدہ ہو گیا ہے۔ اسی طرح اور لسانی گروہ بھی کہیں جداگانہ مملکتیں نہ بن جائیں۔ لیکن پنڈت جی کی غیر معمولی شخصیت بھی اسے دبا نہ سکی۔ چنانچہ ۱۹۵۳ء میں آندھرا کی علیحدگی کا مطالبہ سنگین صورت اختیار کر گیا۔ اور نہرو وزارت اس کی علیحدگی کی مخالف ہونے کے باوجود اسے تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئی۔ آندھرا مدراس سے کٹا تو دیگر لسانی گروہ بھی آگے بڑھے۔ اور اپنے اپنے مطالبوں پر اشتداد کا مظاہرہ کیا۔ یہ دیکھ کر حکومت نے عافیت اسی میں دیکھی کہ ایک کمیشن مقرر کر دیا جو سارے ہندوستان کی تشکیل کا نقشہ پیش کرے۔ اس وقت خیال یہ تھا کہ اس حیلے سے لسانی شور و غوغا تھم جائے گا اور ہو سکتا ہے کہ یہ فتنہ ہمیشہ کے لئے سو جائے۔ لیکن کانگریس نے کچھ اس شدومد سے وعدے کر رکھے تھے کہ ان مطالبات سے مفر ممکن نہیں رہا تھا۔ یہ اسی شدت کا نتیجہ تھا کہ جب کمیشن مشرقی پنجاب میں آیا تو سکھوں پر یہاں تک پابندی لگا دی گئی کہ وہ اپنے پنجابی صوبے کے مطالبہ کے حق میں نعرے تک نہ لگائیں۔ سکھوں نے اس حیران کن پابندی کو برداشت نہ کیا اور اس کی خلاف ورزی کی تو حکومت نے انہیں جیلوں میں ٹھونسنا شروع کر دیا۔ اس طرح کم و بیش چھ ہزار سکھ گرفتار ہوئے۔ لیکن حکومت کو بالآخر جھکنا پڑا اور انہیں رہا کر دیا گیا۔

آندھرا کے علیحدہ صوبے بن جانے کے بعد ہی لسانی

صوبوں کے لئے مطالبہ خصوصیت سے بڑھ گیا۔ ایک مطالبہ مرہٹوں کا تھا۔ جو بمبئی سمیت جداگانہ صوبہ مہاراشٹر کے نام سے طلب کر رہے تھے۔ اور دوسرا مطالبہ سکھوں کا تھا، جو پنجابی صوبہ مانگ رہے تھے۔ پنڈت نہرو کو ان دونوں میں سے سکھوں کا زیادہ ڈر تھا۔ وہ پاکستانی سرحد پر آباد تھے۔ اور ان کے تعلقات حکومت ہند اور عام ہندوؤں سے مسلسل خراب ہوتے چلے آ رہے تھے۔ ایسے مواقع بھی آئے کہ مشرقی پنجاب میں ہندوؤں اور سکھوں کے مابین اتنی کشیدگی پیدا ہو گئی کہ فساد جنگی کا گمان ہونے لگا۔ اندریں حالات پنڈت نہرو سکھوں سے کسی قسم کی رعایت کے روادار نہیں۔ کمیشن نے ان دونوں مطالبات کو مسترد کر دیا ہے لیکن اس کا جو حل پیش کیا ہے۔ اس سے پیچیدگیاں بڑھ گئی ہیں مثلاً مدھیا پردیش (سابقہ سی، پی) کے مرہٹی بولنے والے علاقوں کو علیحدہ کر کے ایک نیا صوبہ "وِدربھا" کے نام سے بنا دیا گیا ہے۔ لیکن ریاست حیدرآباد کے مرہٹی بولنے والوں کو کاٹ کر بمبئی میں مدغم کر دیا گیا ہے۔ گویا مرہٹوں کو دو ٹکڑوں میں بانٹ دیا گیا ہے۔ حالانکہ ان علاقوں کو ملا کر لسانی اعتبار سے علیحدہ مرہٹی صوبہ بنایا جا سکتا تھا۔ مرہٹے اسے قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ وہ ایک صوبہ چاہتے ہیں۔ اور بمبئی کو اپنا مرکز بنانے پر مصر ہیں۔ ان کی مخالفت اس حد تک بڑھ گئی ہے کہ کانگریس کی مجلس عاملہ کو یہ حیران کن فیصلہ کرنا پڑا ہے۔ کہ بمبئی کے مجوزہ صوبے کو تین صوبوں میں بانٹ دیا گیا ہے ایک گجرات، دوسرا بمبئی اور تیسرا مہاراشٹر۔ مرہٹے اس فیصلے سے مطمئن نہیں۔ مہاراشٹر کانگریس کمیٹی کے صدر جو مجلس عاملہ میں شریک تھے، انھوں نے ایک بیان میں کہا ہے۔ کہ یہ فیصلہ مہاراشٹر کانگریس کے لئے قابل قبول نہیں۔ وہ اسے مسترد کر دینے کی مجاز ہے۔ کانگریس کے صدر، مسٹر ڈھیبر نے مرہٹوں کو یہ جھانسہ دیا ہے کہ صوبہ بمبئی کی اسمبلی کو یہ اختیار دیا جائے گا کہ وہ چاہے تو دو تہائی اکثریت سے مہاراشٹر میں مدغم ہونے کا فیصلہ کر لے، صاف پتہ چلتا ہے کہ پنڈت نہرو عجیب کشمکش میں ہیں۔ وہ مہاراشٹر کا مطالبہ ماننے کے لئے تیار نہیں۔ لیکن اسے مسترد کرنے کی ہمت بھی نہیں پاتے اور جو مفاہمت کرتے ہیں۔ اس میں انکار و اقرار اس طرح آ جاتے ہیں کہ صورت حال ابتر ہو جاتی ہے۔

سکھوں کا معاملہ بھی عجیب ہے۔ جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے۔ پنڈت نہرو سکھوں کو ایک حد سے زیادہ ڈھیل نہیں دینا چاہتے۔ لیکن وہ یہ بھی نہیں چاہتے کہ سکھ ان سے برہم ہو کر ایک علیحدہ تحریک شروع کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ چنانچہ سکھوں کا مطالبہ پورا نہیں کیا گیا۔ بلکہ الٹا انھیں اور بے اثر بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ تقسیم کے بعد جب ریاستوں کو صوبوں سے ملایا گیا تو سکھوں کو یہ رعایت دی گئی تھی کہ مشرقی پنجاب کی سکھ ریاستوں کو پیپسو کے نام سے ایک علیحدہ وحدت بنا دیا گیا تھا۔ اور اس کی قیادت مہاراجہ پٹیالہ کے سپرد کی گئی تھی۔ بعد میں اس حصے میں سکھوں کو غیر موثر بنانے کے لئے جو کچھ ہوا۔ وہ علیحدہ داستان ہے۔ بہرحال اس سے سکھوں کی ایک حد تک اشک شوئی ہو گئی تھی۔ اب اس وحدت کو ختم کر دیا جائے گا۔ اور مشرقی پنجاب میں ہماچل (سابق شملہ اور ملحقہ ریاستیں) بھی شریک کر دی جائیگی اس کا مطلب یہ ہے کہ نئے صوبے میں سکھوں کا تناسب آبادی کمتر ہو جائے گا۔ اور وہ غیر موثر ہو جائیں گے۔ اس طرح دراصل مہا پنجاب کا وہ مطالبہ تسلیم کیا گیا ہے جو ہندوؤں نے سکھوں کے پنجابی صوبے کے جواب میں پیش کیا تھا۔ گویا سکھوں کا مطالبہ ٹھکرا کر ان کے خلاف مطالبہ کو تسلیم کیا گیا ہے۔ اس سے سکھوں کا مشتعل ہونا قابل فہم ہے۔ سکھوں کے اشتعال کی ایک اور وجہ حکومت کا مرہٹوں سے امتیازی سلوک ہے۔ اوپر بتایا جا چکا ہے کہ کانگریس کی مجلس عاملہ نے مرہٹی دباؤ میں آکر یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ کمیشن کی سفارشات کے علی الرغم بمبئی سے مرہٹی صوبہ علیحدہ کر دیا جائے، اسے دیکھ کر سکھ لامحالہ سوچیں گے کہ آخر ان کا مطالبہ کیوں تسلیم نہیں کیا جاتا۔ یہ قابل ذکر ہے کہ کمیشن کی سفارشات چھپتے ہی پنڈت نہرو نے ماسٹر تارا سنگھ کو ملاقات کے لئے دہلی بلایا۔ کانگریس کی مجلس عاملہ نے پنجابی صوبے سے متعلق جو سب کمیٹی بنائی ہے اس میں بھی پنڈت جی شریک ہیں۔ گویا وہ سکھوں کا معاملہ اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتے ہیں۔ پنڈت نہرو نے ماسٹر تارا سنگھ کو دہلی نہیں بلایا۔ خود بھی امرتسر آئے۔ اور دربار صاحب میں سکھوں سے خطاب کرتے ہوئے انھیں ہندوؤں سے مل کر اور امن و امان سے رہنے کی تلقین کی۔ یہ پہلا موقع ہے کہ پنڈت جی نے نیشنلسٹ یعنی کانگریسی سکھوں سے گفتگو کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ گویا وہ دل میں جانتے ہیں کہ سکھوں کے مطالبے کے متعلق اکالی سکھوں سے ہی بات کی جا سکتی ہے۔ ویسے نیشنلسٹ سکھ بھی پنجابی صوبے کی مخالفت نہیں کر رہے، ان حالات میں یہ کہنا مشکل ہے کہ پنڈت نہرو سکھوں کو راضی کر لیں گے۔ لیکن اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ سکھوں کا معاملہ بڑا نازک ہو گیا ہے۔

ضمنی طور پر کمیشن کی دو ایسی سفارشات ہیں جن کا تذکرہ یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے۔ ریاست حیدرآباد کو جس طرح ہندوستان نے ہڑپ کیا ہے۔ وہ عام طور پر معلوم ہے۔ لیکن اس پر قبضہ کرنے پر ہی اکتفا نہیں کی گئی۔ اب اس ریاست کو مٹا دیا گیا ہے۔ اس کے مرہٹی اضلاع بمبئی سے ملا دیئے گئے ہیں۔ اور بقایا حصے کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ "چاہے" تو سنہ ۱۹۶۱ کے انتخابات عمومی کے بعد آندھرا میں مل جائے۔ کانگریس کی مجلس عاملہ نے اس سلسلہ میں ایک اور قدم اٹھایا ہے اور وہ یہ کہ اس نے فیصلہ کیا ہے کہ ابھی سے یہ مہم شروع کی جائے کہ بقیہ حیدرآباد آندھرا میں جذب ہو جائے۔ اسی طرح بہار میں پورنیا کا علاقہ ایسا ہے۔ جہاں مسلمانوں کی آبادی ہے۔ بنگالی ہندوؤں کی اس پر نظریں ہیں۔ وہ اس کو اپنے ساتھ ملانے کا مطالبہ کرتے چلے آ رہے تھے۔ تاکہ مشرقی پاکستان کے ہندوؤں کو وہاں لبایا جائے۔ کمیشن نے یہ علاقہ مغربی بنگال کو دے دیا ہے۔ اس سے وہاں کے مسلمانوں کا جو حشر ہو سکتا ہے۔ اس کا اندازہ مشکل نہیں۔

الغرض صاف نظر آ رہا ہے کہ ہندوستان آزادی کے بعد ایک عظیم الشان بحران سے دوچار ہو رہا ہے۔ دور غلامی میں یہ دشواری اس کے لئے پیش نہیں آئی تھی۔ اب اس کا عجیب و غریب امتحان ہو گا۔ اس امتحان میں بہت حد تک پنڈت نہرو ہندوستان کے آڑے آئیں گے، ان کی ذات، مسٹر گاندھی کے بعد، وطنیت کی علامت ہے اس علامت کو عظیم الشان چیلنج مل رہا ہے، پنڈت جی اس سے کہاں تک عہدہ برآ ہو سکیں گے؟ اور ہندوستان کا آئندہ نقشہ کیا ہو گا؟ یہ بڑے دلچسپ سوالات ہیں۔ ان کا جواب مستقبل دے گا۔

طلوع اسلام کثیر تعداد میں شائع ہو کر پاکستان و ہندوستان کے علاوہ غیر ممالک میں ہر طبقے کے لوگوں کے پاس جاتا ہے۔ اس میں چھپنے والے اشتہارات ہزاروں خریداروں کی نظروں سے گذرتے ہیں۔
نرخنامہ اشتہارات، و تفصیلات ناظم ادارہ (شعبۂ اشتہارات) سے حاصل کیجئے۔
ناظم ادارہ طلوع اسلام۔ پوسٹ بکس نمبر ۶۳۱۳، کراچی

سالمارین
دردوں کے لئے اکسیر ہے
گٹھیا، رینگن، درد کمر، ریاحی درد، درد شقیقہ سر درد اور زہریلے جانوروں کے کاٹے کیلئے اکسیر ہے
انتہائی درد کی بے چینی کو دور کر کے سکون پہنچاتی ہے۔ اس کا مسلسل استعمال دائمی آرام کا ضامن ہے
ہوائی جہاز۔ ریل، اور بحری جہاز میں سفر کرنے والوں کے لئے "سالمارین" بہترین وقتی مددگار ہے
قیمت فی شیشی دو روپے۔ علاوہ محصول ڈاک۔ اپنے شہر کے ہر اچھے دوا فروش سے خریدیں۔ یا
سالما لیبارٹریز (پاکستان) ۲۷۔ زینت مینشن۔ میکلوڈ روڈ کراچی

اندرونِ ہند

[ہندوستان کی سیکولر گورنمنٹ میں مسلمانوں کے ساتھ وہاں کے اکثریتی فرقہ کا کیا سلوک ہے۔ وہ ذیل کی چند خبروں سے واضح طور پر سامنے آجائے گا کہ وہاں نہ ان کی جان و مال محفوظ ہے۔ اور نہ ہی ثقافت و مذہب۔ یہ سب کچھ پنڈت نہرو کی آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے۔ جو دنیا میں ہندوستان کی امن پسندی کا ڈھنڈورہ پیٹتے رہتے ہیں۔ آپ دیکھئے کہ وہ ملک جہاں ایک جانور کی ہتیا پر ہنگامے برپا ہو جاتے ہیں وہاں مسلمانوں کے خون کی کس قدر ارزانی ہے]

کاسگنج میں فرقہ وارانہ ہنگامہ

روزنامہ الجمعیۃ مورخہ ۲۲ر اکتوبر ۱۹۵۵ء رقمطراز ہے کہ:

"گذشتہ ۱۵ر اکتوبر کو یہاں فرقہ پرستوں نے متعدد نہتے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ جس کے نتیجے میں ایک معمر بزرگ زخموں کی تاب نہ لا کر کچھ دیر بعد ہی فوت ہو گئے۔ چار اشخاص شدید زخمی ہوئے۔ چند ہندوؤں نے صرف حملہ ہی نہیں کیا بلکہ بہت سی دکانوں کو بھی حملہ کر کے لوٹ لیا۔ نقصان کا صحیح اندازہ نہیں لگایا جا سکا۔ مفسدوں اور غنڈوں کی سرگرمیاں کی بنا پر اقلیتی فرقہ میں سخت خوف و ہراس پھیل گیا ہے۔ حکام کی طرف سے دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دی گئی ہے۔ فساد کی وجہ ایک گائے کے ذبیحہ کو بنایا گیا۔ جس کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ وہ غنڈوں سے ملے ہوئے اقلیتی فرقہ کے ایک آوارہ شخص کی حرکت تھی جس نے گائے کاٹ کر اپنے آپ کو گرفتار کرا دیا۔ اور اس واقعہ سے تعلق نہ رکھنے والے چودھری مہدی حسن میونسپل کمشنر کی بھی نشان دہی کی جس کی بنا پر وہ بھی گرفتار کر لئے گئے۔ ان کے علاوہ ایک چاقو اور اس واقعہ سے تعلق رکھنے والے دوسرے دو ملزمان کی بھی گرفتاری عمل میں آئی۔ پولیس کا رویہ عام طور سے اطمینان بخش رہا۔ شہر کوتوال نے فوراً پولیس سپرنٹنڈنٹ اور کلکٹر کو بلا لیا۔ شہر میں کاروبار شروع ہو گیا ہے۔"

اس کے ساتھ ہی کچھ لیڈروں اور مقامی اخباروں نے مسلمانوں کی مظلومیت پر پردہ ڈالنے کے لئے مسلمانوں پر الزام لگایا ہے کہ وہ دیش کے غدار ہیں۔ اور اب تک پاکستان اپنے ریڈیو اور پروپیگنڈے کے ذریعہ ان کی حمایت کرتا ہے۔

مقامی اخبارات مسلمانوں کی طرف سے پتھراؤ اور مسلح حملہ کا من گھڑت افسانہ بنا رہے ہیں۔ حالانکہ مسلمانوں کو حملہ آور قرار دے کر وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ مرنے اور زخمی ہونے والے کون ہیں؟ یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ ۲۶ر ستمبر کے حادثہ میں ایک مقتول کا ذکر "ہندو" کے نام سے تمام اخبارات میں کیا گیا ہے۔ لیکن اس وقت مرنے والے اور زخمیوں کو "مسلمان" لکھنا جرم سمجھ لیا گیا؟ اور مسلمانوں کو حملہ آور قرار دے کر عام ہندوؤں کا ذہن اس طرف منتقل کر دیا گیا ہے کہ شاید مرنے والے بھی ہندو ہی ہوں گے یہ کتنی خوفناک فتنہ انگیزی ہے۔"

کوٹہ کے فسادات

معاصر الجمعیۃ مورخہ ۲۴ر اکتوبر ۱۹۵۵ء کی اطلاع ہے کہ:

"۲۰ر اکتوبر سے فرقہ پرستوں نے یکایک تمام بازاروں کے بند کرانے اور مکمل ہڑتال کرانے میں کامیابی حاصل کر لی ہے پہلے روز احتیاطاً مسلمانوں نے بھی دکانیں بند رکھیں۔ اس حرکت سے عوام میں سخت تشویش پیدا ہو گئی ہے۔ لیکن حکام کے ہر قسم کے انتظام و تیاری سے کسی قسم کا نقضِ امن نہ ہوا۔ البتہ سرا ہفتہ سے زائد کوٹہ کی فضا مکدر رہنے سے معاشی و کاروباری زندگی پر بہت برا اثر پڑا ہے۔ مزدوری اور دستکاری کا سلسلہ مسدود ہو جانے سے غریب عوام سخت حیرانی میں ہیں۔ لوگ اپنے مال و متاع کو بیچ رہے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ عام ہڑتال فرقہ پرستوں نے اس لئے کرائی ہے کہ ان کے نزدیک ۳۰ر ستمبر کے المیہ پر اسمبلی میں ہوم منسٹر کا بیان، اس سلسلہ میں حکام کی تبدیلی اور مجرموں کی گرفتاری یہ سب کام نادرست ہے۔ اس لئے حکومت راجستھان سے احتجاج کرنے کے لئے یہ طویل ہڑتال کا سلسلہ جاری کیا گیا ہے۔"

مغربی بنگال میں سات لاکھ بے خانماں مسلمان

روزنامہ "الجمعیۃ" دہلی مورخہ ۳۰ر اکتوبر ۱۹۵۵ء کی اطلاع ہے کہ:

"مغربی بنگال جمعیۃ علماء کے ناظم قاری عبدالرشید خان نے مرکزی وزیر بحالیات مسٹر کھنہ کے حالیہ بیان کو جس میں مسٹر کھنہ نے کہا ہے کہ مغربی بنگال کے تمام اجڑے ہوئے مسلمانوں کو آباد کیا جا چکا ہے۔ دفتری مغالطہ پر مبنی قرار دیا ہے۔ پورا بیان درج ذیل ہے۔ "چند ماہ پیشتر مورخہ ۳ر جولائی ۱۹۵۵ء کو جمعیۃ علماء مغربی بنگال کے ایک وفد نے مرکزی حکومت کے وزیر بحالیات شری مہر چند کھنہ کو ایک میمورنڈم پیش کرتے ہوئے مغربی بنگال ایکٹ ۱۱۶ اور ایکٹ ۵ ۱۹۵۱ء کی منسوخی کا مطالبہ کیا تھا۔ جو دو فرقوں کے درمیان امتیاز پیدا کر کے عدل و انصاف کا خون کر رہا ہے۔ اور جس کی رو سے سات لاکھ اجڑے ہوئے مسلمانوں کے ہزاروں مکانات اور جائدادیں جن پر اب تک ریفوجی قابض ہیں۔ وہ اس وقت تک واپس نہیں مل سکتیں جب تک مسلمانوں کے مکانات پر قبضہ کرنے والے ایک ایک فرد کو حکومت کسی دوسری جگہ آباد نہ کرے۔ اس پر مسٹر کھنہ نے نہایت ہی صفائی سے کہا تھا کہ اس قسم کے اجڑے ہوئے مسلمانوں کے لئے میں تاوقتیکہ کچھ نہیں کر سکتا اور ان کے کیس میرے حدود اختیار سے باہر ہیں۔ البتہ انسانی ہمدردی کے تقاضے کی بنا پر یہ کوشش کروں گا۔ میرا تعلق تو صرف ان لوگوں سے ہے۔ جو نہرو لیاقت پیکٹ کے تحت

ہندوستان واپس آئے ہیں۔ وزیر بحالیات کے سکریٹری نے اپنے ناظروں کی مدد سے بتایا کہ چار لاکھ تین ہزار مسلمان پاکستان گئے اور دو لاکھ پانچ ہزار مسلمان مغربی بنگال واپس آئے۔ ان میں سے بیشتر کو امدادی رقوم اور مکانات دیئے گئے اور حسب معمول آبادکاری سے مستفیض کیا گیا۔

اب یکایک مسٹر کھنہ کا ایک تازہ بیان نظر سے گذرا جو ۳۰ اکتوبر کو انھوں نے ایک پریس کانفرنس میں دیا ہے اور جس میں مسلمانانِ مغربی بنگال کی آبادکاری کے سلسلہ میں نہایت سادگی سے کہا گیا ہے کہ مغربی بنگال کے تمام اجڑے ہوئے مسلمانوں کو بسایا جا چکا ہے۔ باقی ماندہ اٹھارہ سو کیسوں میں سے جمعیۃ علماء کے ایک وفد کو چند ماہ قبل آگاہ کیا تھا۔ یہ سراسر غلط ہے کہ انھوں نے صرف اٹھارہ سو باقی ماندہ کیسوں سے وفد کو آگاہ کیا تھا۔ موصوف کا یہ تازہ بیان دفتری مغالطہ پر مبنی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے اعداد و شمار کے خود ذمہ دار ہیں۔ اور انہیں کے سابقہ بیان کے مطابق اب سے تین ماہ پیشتر ایک لاکھ مسلمان ایسے تھے جن کی بازآبادکاری کا مسلسل کوششوں کے باوجود سامان نہ ہو سکا تھا۔ وہ تین ماہ کے اس قلیل عرصہ میں کس طرح بسا دیئے گئے اور اب اٹھارہ سو کی ایک مختصر تعداد باقی رہ گئی ہے۔ تعجب ہے کہ وہ اپنے بیان میں ان کیسوں کو بھی شامل کر لیتے ہیں جن کے متعلق اپنی بے بسی کا اظہار کر چکے ہیں۔ آخر یہ کیوں کہا جاتا ہے کہ مغربی بنگال کے تمام اجڑے ہوئے مسلمانوں کو آباد کیا جا چکا ہے۔ اور انہیں ان کے مکانات اور جائیدادیں واگذار کر دی گئی ہیں۔ اور اب لاکھوں میں صرف چند سو باقی رہ گئے ہیں۔
ہمارے مرکزی وزیر بحالیات اپنے بیانات میں یہ بات صاف کیوں نہیں کر دیتے کہ ہماری یہ تعداد ان سات لاکھ بے خانماں برباد مسلمانوں کے علاوہ ہے۔ جن کی لاکھوں درخواستیں اس لئے مسترد ہو گئیں کہ وہ مکانوں کے تخلیہ اور جائیدادوں کی واگذاری کے متعلق تھیں۔ اور جن کو مغربی بنگال ایکٹ علاشہ اس وقت ملک کے لئے ناقابلِ سماعت قرار دے چکا ہے۔ جب تک ان مکانوں اور جائیدادوں پر قابض، شرنارتھیوں کے لئے حکومت سکونت کا انتظام نہ کرے اور جو حکومت مغربی بنگال کی پیشانی پر کلنک کا ٹیکہ اور اس کے تابناک چہرے پر ایک بدنما داغ ہے۔ کیا ان گمراہ کن بیان بازیوں سے مسلمان بچ جائیں گے؟ کیا اسی کو داد رسی کہتے ہیں۔ کیا قانون عدل و انصاف اس کو آبادکاری قرار دے گا۔ ہمارے لائق وزیر جن کو تباہ شدہ لوگوں کی امداد کے لئے وزیر بنایا گیا ہے۔ اور جو خود بھی خانہ ویرانی کے مزے سے کسی قدر آشنا ہیں۔ وہ مغربی بنگال کے تباہ شدہ اور اجڑے ہوئے مسلمانوں کو اپنے رنگین بیانات سے بسانا چاہتے ہیں۔
(ناظم جمیعۃ علماء مغربی بنگال قاری عبدالرشید)

مسلمانانِ بہار پر مظالم کے خلاف جمیعۃ علماء بہار کا میمورنڈم

روزنامہ "الجمعیۃ" دہلی کی اسی اشاعت میں درج ہے کہ

گذشتہ عیدالاضحیٰ کے موقعہ پر بہار کے مختلف علاقوں میں بے گناہ مسلمانوں پر پولیس نے جو ناقابلِ بیان زیادتیاں کیں اس پر بہار کے معزز مسلمان وزیر اعلیٰ بہار کی توجہ مبذول کرا چکے ہیں۔ اسی سلسلہ میں جمیعۃ علماء بہار نے بھی واقعات کی پوری تحقیقات کے بعد ایک میمورنڈم وزیر اعلیٰ بہار کی خدمت میں پیش کیا ہے۔ جس میں مطالبہ کیا گیا ہے کہ حکومت ان ہولناک واقعات کی تحقیقات کے لئے ایک کمیشن مقرر کرے اور جن افسروں کے خلاف ثبوت بہم پہنچ جائے انھیں قرار واقعی سزا دے۔

میمورنڈم میں کہا گیا ہے کہ بہار کے مسلمانوں پر مختلف علاقوں میں یکسانیت کے ساتھ جو زیادتیاں ہوئیں۔ ان سے کسی سوچی سمجھی اسکیم کا پتہ چلتا ہے۔ اور پھر یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ مجسٹریٹوں اور پولیس افسروں کی موجودگی میں زیادتیوں کا ارتکاب ہوا۔ ہم نہیں چاہتے کہ یہاں پولیس کی بدسلوکیوں کی کوئی فہرست پیش کریں۔ مگر یہ نرم مطالبہ کہ حکومت بہار تحقیقاتی کمیشن کے ذریعہ واقعات کی چھان بین کرائے وزیر اعلیٰ بہار کے لئے قابلِ قبول ہونا چاہیئے۔ اگر ریاستی حکومتیں کسی ہریجن کی موت پر پولیس کے خلاف محکمانہ کارروائی کر سکتی ہیں تو بہار کا المیہ تو اس سے کہیں زیادہ تحقیقات کا مستحق ہے۔ کیا وزیر اعلیٰ بہار مظلوم مسلمانوں کے اس معمولی مطالبہ کو مان کر اپنی عدل گستری اور آئین پسندی کا ثبوت دیں گے؟

کلکتہ کی مسجدوں پر ہندو شرنارتھیوں کا قبضہ

روزنامہ پاسبان ڈھاکہ مورخہ ۱۷ اکتوبر ۱۹۵۵ء میں شائع ہوا ہے کہ

• پاکستان مجلس دستور ساز کے رکن مسٹر مسلم علی ملا (عوامی لیگی) حال ہی میں کلکتہ گئے ہوئے تھے۔ آپ نے حکومت کی توجہ کلکتہ کی ان مساجد کی طرف مبذول کرائی ہے۔ جو افسوسناک حالت میں ہیں۔ اور جن پر ہندو شرنارتھیوں نے اپنا قبضہ جما رکھا ہے۔ مسٹر مسلم علی نے آج ایک بیان میں کہا ہے کہ جب کہ حکومتِ پاکستان غیر مسلموں کے مذہبی مقامات اور مندروں کی تقدیس کی عملی طور پر حفاظت کر رہی ہے۔ بھارت میں مساجد کی اب تک بےحرمتی ہو رہی ہے۔ اور ان میں سے بعض پر پاکستان کا تخلیہ کرنے والے ہندو فوجیوں نے قبضہ جما رکھا ہے۔ مسٹر مسلم علی ملا نے حکومت پاکستان سے اپیل کی ہے کہ وہ بھارت کے مساجد اور مسلمانوں کے مقدس مقامات کی واپسی کے لئے فوری اقدامات کرے۔ موصوف نے اپنے بیان میں حکومت سے پرزور درخواست کی ہے کہ وہ ڈھاکہ کے ۲۵۰ مکانات کو خالی کرانے کے حکم نامے کو اس وقت تک کے لئے روک دے۔ جب تک کہ ان مکانات میں رہنے والوں کے لئے متبادل رہائش کا انتظام نہ کیا جائے۔

خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیجئے ورنہ عدمِ تعمیل کی شکایت معاف۔

کیا آپ نے یہ کتابیں پڑھی ہیں؟
قیمت چار روپے
قیمت چار روپے
شرد رَین
نوادرات
قیمت چار روپے
اسلامی معاشرت
فرائض و واجبات۔ انفرادی اور اجتماعی زندگی کا ... ۱۹۲ صفحات ... قیمت دو روپے
نظامِ ربوبیت
قرآنی حل ... کا ... دورِ حاضرہ کی عظیم ...
قسم اوّل
قسم دوم (مجلد)
اقبال اور قرآن
... علامہ اقبال کے قرآنی پیغام سے متعلق ...
... انقلاب آفریں مقالات کا مجموعہ
دست کور کے ساتھ ... قیمت دو روپے
تمام کتابیں مجلد ہیں اور گرد پوش سے آراستہ۔ محصول ڈاک ہر حالت میں بذمہ خریدار
ملنے کا پتہ: ادارہ طلوعِ اسلام۔ پوسٹ بکس نمبر ۳۱۳۔ کراچی

حقائق و عبر

متعہ

متعہ کے جواز میں امیر جماعت اسلامی سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے جو کچھ لکھا ہے۔ اس کے متعلق ۵ اکتوبر ۱۹۵۵ء کے طلوع اسلام میں لکھا جا چکا ہے اس سلسلہ میں جمعیت اہل حدیث کے ہفتہ وار ترجمان "الاعتصام" نے اپنی ۱۸ نومبر کی اشاعت میں ایک مقالہ افتتاحیہ سپرد قلم کرایا ہے۔ جسے ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ (طلوع اسلام)

"جب ایک دفعہ آدمی پھسلتا ہے تو پھسلتا ہی چلا جاتا ہے۔ چنانچہ مولانا ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کی بالکل یہی کیفیت ہے۔ وہ کچھ عرصہ سے اس قسم کی اجتہادی و فکری ٹھوکریں کھانے لگے ہیں۔ اور ان کا ذہن اس بری طرح پھسلنے لگا ہے کہ رکنے کا نام تک نہیں لیتا۔ اسی متعہ کے معاملہ کو لیجئے اس میں انہوں نے اتنی بڑی لغزش کا ارتکاب کیا ہے۔ کہ ان کی قیادت و سیادت کی ساری زندگی میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ بتلایئے اس دور میں اس تحقیق عمیق کا کیا فائدہ تھا دنیا آج بڑے بڑے مسائل سے دوچار ہے۔ اور پاکستان کے بعض مسائل بالخصوص بہت اہم اور دور رس نتائج کے حامل ہیں۔ بعض اوپر کے حلقوں میں ایک طرف پاکستان کو لادینی اور غیر مذہبی ریاست بنانے کے لئے سعی و کوشش کا بازار گرم ہے۔ دوسری طرف بے پردگی اور بے حیائی کا طوفان عریانی و بے حیائی کے دروازوں کو دستک دینے لگا ہے۔ اس کے علاوہ اقتصادی و معاشی مشکلات ہیں جنھوں نے پاکستانی عوام کو مصائب و آلام کے بھنور میں پھنسا رکھا ہے لیکن امیر جماعت اسلامی ہیں کہ تفسیر قرآن کے نام سے اس دور میں "استمتعنا بالید" اور "متعہ" کے جواز پر تحقیق فرما رہے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا نے متعہ کے جواز پر اضطراری و بے قراری کی جو ڈرامائی دلیل پیش فرمائی ہے۔ ہمیں ذاتی طور پر علم ہے بالکل یہی چیز بعض کمیونسٹ پیش کیا کرتے ہیں۔ اور کہا کرتے ہیں کہ اگر اس طرح کی صورت حال پیش آجائے تو اسلام اس کا کیا حل پیش کرتا ہے۔ یہ ناقابل وقوع مثال نہ کبھی پیش آئی۔ اور نہ اس کے قیامت تک کے لئے پیش آنے کی امید ہے۔ لیکن حضرت مولانا نے اس پر فکر و اجتہاد کا ایک قصر عظیم تعمیر فرمادیا ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کو کمیونسٹوں سے جو تعلق خاطر ہے۔ وہ اسی سے ظاہر ہے کہ انھوں نے رمضان شریف کی ایک دعوت افطار میں ان کو بھاری تعداد میں مدعو کیا۔ حتیٰ کہ اس میں ان کے بعض صنادید تک نے شرکت فرمائی حالانکہ جماعت اسلامی کے دستور اساسی کی دفعہ ۸ کے فقرہ ۸ میں صاف لکھا ہے۔

"فساق و فجار اور خدا سے غافل لوگوں سے موالات اور مودت کے تعلقات منقطع کرنا اور صالحین سے ربط قائم کرنا۔"

مولانا کے جواز متعہ کی تحقیق اور کمیونسٹوں کے ساتھ ان کے تعلقات کے ڈانڈے آپ ملاحظہ فرمایئے کہ کہاں آکر ملے ہیں۔

دوسری چیز یہ ہے کہ اس طرح کی تحقیقات اجتہادی و فکری سے مولانا اپنی جماعت کو اپنی عوامی بنانے کے خواہش مند ہیں اور شیعہ کے لئے بھی اس کے دروازے وا کردینا ان کا ایک مقصد ہے۔

یہ واقعہ ہے کہ جماعت اسلامی میں بعض شیعہ حضرات بھی شامل ہیں۔ اور جماعت کی مجلس شوریٰ تک کے رکن ہیں ظاہر ہے کہ جماعت اسلامی میں شیعہ حضرات کی شرکت بغیر کسی "خفیہ سمجھوتہ" کے ممکن نہیں۔ وہ خفیہ سمجھوتہ کیا ہے؟ اس کی پہلی قسط "جواز متعہ" کی صورت میں امیر جماعت اسلامی کی طرف سے تفسیر قرآن کے قالب میں ڈھال کر شیعہ اصحاب کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے۔

اسی طرح اضطرار و بے قراری کے مفروضے قائم کرکے بے حیائی اور فواحش کے وہ کواڑ امیر جماعت اسلامی کے ہاتھوں دن دھاڑے کھولے جارہے ہیں جو چودہ سو برس ہوئے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قطعی طور سے بند کردیئے تھے۔ مژدہ ہو شیعہ حضرات کو اور مبارک ہو موجودہ شہوت پسند ماحول کو کہ آج ایک متدین و صالح جماعت متعہ و فواحش کے جواز میں استدلال کی پوری طاقتوں کے ساتھ ان کی پشت پناہ ہے۔

مولانا اس ڈرامائی استدلال سے ان دو طبقوں کی امداد حاصل کرنے میں تو شاید کامیاب ہوجائیں۔ لیکن انھوں نے اس پر بھی کبھی غور فرمایا ہے کہ ممتوعہ عورت اگر حاملہ ہوجائے تو اس کی اولاد کا مستقبل کیا ہوگا ؟

کیا جماعت اسلامی اس کی پرورش کے لئے کوئی ادارہ قائم کررہی ہے ؟ مولانا غور فرمائیں کہ وہ کیا کررہے ہیں ؟

اگر اضطراری حالت میں بقول ان کے متعہ جائز ہوا تو نکاح کی صورت میں عورت کا مصرف تو محض یہی ہوا نا کہ وہ مرد کے جنسی تقاضوں کو پورا کرے۔ حالانکہ شرعی اعتبار سے عورت کا مصرف محض یہ نہیں ہے بلکہ میاں بیوی دونوں کا تعلق ایک مجلسی اور ہمہ گیر تعلق ہوتا ہے۔

پھر "اضطرار" کی قید لگا کر مولانا نے متعہ کے جواز کو اور بھی وسیع کردیا ہے۔ کیونکہ اضطرار ایک اخلاقی شے ہے۔ اور ہر شخص کا اضطرار الگ الگ صورتوں کا حامل ہوتا ہے مولانا کے پاس کیا پیمانہ ہے۔ جس کے ساتھ وہ اضطرار کے طول و عرض کو ناپیں گے ؟

مولانا نے غضب یہ کیا ہے کہ جو مثال بیان فرمائی ہے اس میں انھوں نے "شرعی شرائط کے مطابق نکاح کو ناممکن" قرار دیا ہے ــــ حالانکہ مولانا کو چاہیئے تھا کہ ایسے موقع کے لئے شرعی نکاح کے جواز پر دلائل دیتے اور یہ ثابت کرنے کی سعی کرتے کہ ــــ ایسی صورت اگر کبھی پیش آبھی جائے تو اس میں شرعی نکاح ہوسکتا ہے۔

کیونکہ نکاح چند شرعی شرائط کے ساتھ فریقین کی باہمی رضامندی کا نام ہی تو ہے رہا مہر کا نقد تو یہ معجل بھی ہوسکتا ہے اور غیر معجل بھی۔

لیکن افسوس ہے کہ مولانا نے نکاح کو چھوڑ کر متعہ کا راستہ اختیار کیا۔ اور فواحش و منکرات کا دروازہ کھولنے کی سعی کا اس سے اور کوئی فائدہ ہو یا نہ ہو۔ یہ البتہ ہوگا۔ کہ اشرف میڈیکل ہال کے طلاء اور مقوی باہ کی ادویات کی فروخت میں اضافہ ہوجائے گا۔

جماعت اسلامی کے "اہل علم" صحیح بخاری کی حجیت و استناد کے خلاف تو اقوال شاذہ کا پشتارہ لے کر مودودی صاحب کی پشت پر آگئے تھے۔ کیا اب وہ جواز متعہ کے سلسلہ میں بھی حق نمک ادا فرمائیں گے اور مولانا کے پیچھے متعہ کے جواز میں دلائل و براہین کا انبار

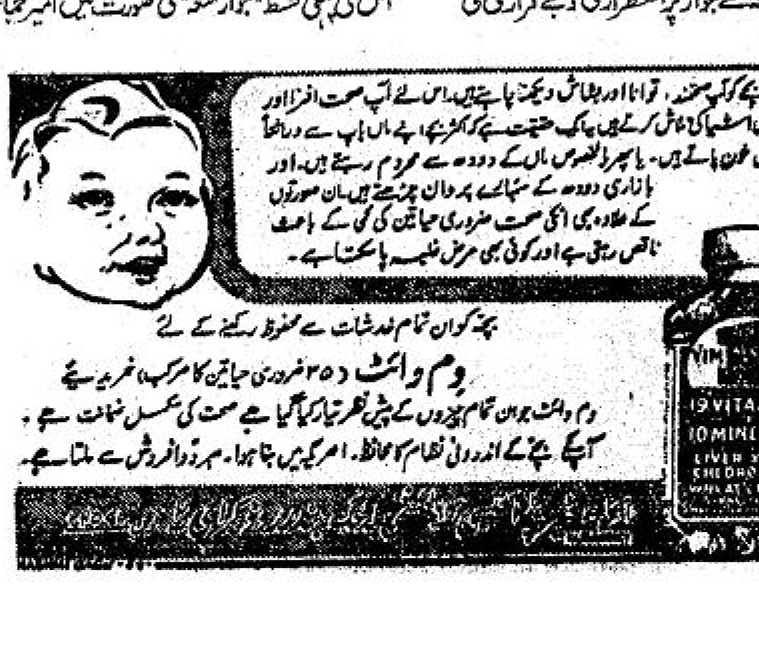

لگانے کی کوشش کریں گے !

بلا تبصرہ

لکھنؤ کے ہفتہ وار اخبار "صدق جدید" میں حسب ذیل خبر اور تبصرہ شائع ہوا ہے۔

معمہ بازی پر بندش

ایک روزنامہ کے ایڈیٹوریل سے:۔

"حکومت سندھ نے آخرہ قانون پاس ہی کر دیا۔ جس کی رو سے اخبارات وجرائد کی معمہ بازی کے سلسلہ میں بانٹے جانے والے انعاموں کی رقم ایک ہزار روپے سے نہ بڑھنے پائے گی۔ حکومت سندھ اس مسئلہ پر عرصے سے غور کر رہی تھی۔ اور اسی لئے جو تحقیقاتی کمیشن اخبارات کے لئے مقرر کیا تھا۔ اس نے بھی معموں کو صحافت کے لئے ایک بہت بڑی لعنت قرار دیا تھا۔ اب سرکار سندھ اس لعنت کے اثرات کو محدود کرنے والے قانون کے بنانے میں کامیاب ہو گئی ہے۔"

اور اس پر یقیناً سرکار سندھ مخلصانہ مبارکباد کی مستحق ہے۔ لیکن اس قسم کی خبر جب سننے میں آتی ہے جی بے اختیار چاہنے لگتا ہے کہ کاش اس اصلاحی اقدام کی اولیت پاکستان کے حصہ میں آئی ہوتی۔ جہاں تک قمار بازی کی اس نئی لعنت کا (انعامی معموں کے خوبصورت غلاف میں) تعلق ہے۔ ہند اور پاکستان دونوں ہی اس میں یکساں مبتلا ہیں۔ بھارت اسلامی کے خیر خواہوں کے لئے یہ نظارہ کیسا حیرت انگیز اور حیرت انگیز ہے کہ اصلاح کا قدم (محدود پیمانہ پر ہی) ایک سیکولر حکومت تو اٹھالے اور پڑوس کی مسلم حکومت ابھی تک خاموش ہی رہے۔

طلوع اسلام ہم نے اس خبر کو بلا تبصرہ اس لئے شائع کیا ہے کہ جب پاکستان کے ارباب حل وعقد کی اپنی غیرت ایمانی انہیں اس پر آمادہ نہیں کر سکی۔ کہ وہ اس قسم کے خرافات کو پاکستان سے دور کریں۔ تو انہیں غیروں کی مثال دیکھ کر غیرت دلانا بے سود ہے۔ ان کی اصل دشواری وہ ایوانات ہیں۔ جن میں ہر شام ساغر کے دور چلتے ہیں۔ اور ہر شب برج کی محفلیں جمتی ہیں۔ ان مجبوریوں کے ماتحت یہ بے چارے بھلا کس طرح شراب وقمار کو ممنوع قرار دے سکتے ہیں۔

زندہ بزرگ

روزنامہ "تسنیم" نے اپنی ۵ ر نومبر کی اشاعت کے "متکلف برطرف" کے کالم میں حسب ذیل شذرہ لکھا ہے۔

"مصر کے وزیر اوقاف شیخ احمد حسن باقوری نے کچھ عرصہ ہوا اعلان کیا کہ ان کی وزارت ان تمام مزاروں میں مدفون بزرگوں کے حالات زندگی کا پتہ چلائے گی۔ جو عوام کی عقیدت کے مرکز ہیں۔ لیکن ان کے سوانح حیات کا علم نہیں ہے۔ حال ہی میں ان کے محکمے نے انہیں جو رپورٹ پیش کی ہے۔ اس میں جہاں ایسے اولیائے کرام کے نام آئے ہیں جو پاکیزہ زندگیوں کے مالک تھے۔ وہاں کچھ ایسے "بزرگوں" کے نام بھی ہیں۔ جن کے مزاروں کی رونق محض ضعیف الاعتقادی کی مرہون منت ہے — ایک ایسے ہی بزرگ کے متعلق رپورٹ میں لکھا گیا ہے کہ

"آپ مالیک کے دور میں بہت بڑے راہزن تھے۔ اور ایک ترکی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ راہزنی کی خاطر ایک کھنڈر میں مقیم تھے۔ جو عام گذرگاہ سے قریب تھا۔ اور ایک اونچی جگہ بیٹھ کر ذکر واذکار میں مصروف رہتے تھے جب کوئی قافلہ یا مسافر نظر آتا دور سے "الحمد للہ" کہتے اور اس کے ساتھی مسافر پر جھپٹ پڑتے اور اس کا سب کچھ چھین لیتے۔"

جب آپ کا انتقال ہوا تو ان کے ساتھیوں نے ان کو قبر کے لئے اسی کھنڈر کا انتخاب کیا۔ اور خود مجاور بن کر بیٹھ گئے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں یہ "مزار" مرجع خلائق بن گیا۔ اور وہ دونوں ہاتھوں سے ضعیف الاعتقاد لوگوں کو لوٹنے لگے۔

یہ رپورٹ واقعی بڑی دلچسپ ہے۔ اور مرنے والے بزرگوں میں واقعی ایسے لوگ ہو سکتے ہیں۔ جو مرنے کے بعد تو عوام وخواص کی عقیدت کا مرکز بنے ہوئے ہیں۔ لیکن اپنی زندگی میں لوٹ کھسوٹ کا مرکز بنے رہے ہوں۔ لیکن مصر میں تو اس سے بھی زیادہ دلچسپ رپورٹیں ان "زندہ بزرگوں" کے بارے میں تیار کی جا سکتی ہیں جو قاتل ہونے کے باوجود اگر عوام کے نہیں تو خواص کی عقیدت کا مرکز ضرور بنے ہوئے ہیں"

طلوع اسلام معلوم نہیں ارباب "تسنیم" کو اس قسم کے "زندہ بزرگوں" کی تلاش میں مصر تک کے دور دراز سفر کی ضرورت کیوں پیش آگئی۔ جب کہ خود ان کے اپنے ہاں اس قسم کے بزرگوں کی کوئی کمی نہیں جو "اونچی جگہ بیٹھ کر ذکر واذکار میں مصروف رہتے ہیں۔ اور جب کوئی قافلہ یا مسافر نظر آتا ہے تو وہ الحمد للہ کہتے ہیں۔ اور ان کے ساتھی ان پر جھپٹ پڑتے ہیں۔ اور ان کا سب کچھ چھین لیتے ہیں" کیا ان بزرگوں کا سارا کاروبار اسی قسم کی مقدس رہزنی نہیں۔!

فلیوری ٹی کمپنی

ہم نے سلہٹ اور چاٹگانگ کے باغیچوں سے عمدہ اور خوشبودار چائے کے منگوانے کا خاص بندوبست کیا ہے۔

ضرورتمند اصحاب مندرجہ ذیل پتہ پر رجوع کریں

فلیوری ٹی کمپنی

محمد فیروز اسٹریٹ — جوڈیا بازار — کراچی

فون ۳۲۸۱۹

ٹیلیگرام — "KASHMIRTEA"

بین الاقوامی جائزہ

وزرائے خارجہ کی جنیوا کانفرنس بالآخر ناکام ختم ہو گئی ہے یہ وزرا ر رئیسان مملکت کی جولائی میں منعقد ہونے والی چوٹی کی جنیوا کانفرنس کی ہدایت کے مطابق ۲۷ راکتوبر کو مجتمع ہوئے تھے ان کے سپرد تین امور کئے گئے تھے (۱) یورپی تحفظ اور جرمنی (۲) تحدید اسلحہ (۳) مشرق ومغرب میں روابط کی استواری۔ تین ہفتوں کی بحث وتمحیص کے بعد ۱۶ ر نومبر کو یہ کانفرنس ختم کر دی گئی کیونکہ کسی ایک معاملہ پر بھی کوئی اتفاق نہیں ہو سکا تھا۔ پہلا مسئلہ یورپ اور جرمنی کا تھا۔ دونوں دو حصوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ اقوام مغرب نے مغربی یورپ کو ناٹو اور مغربی یورپی یونین کی تنظیموں میں منسلک کر رکھا ہے۔ انہوں نے مغربی جرمنی کو مسلح کرنے کا بھی فیصلہ کر لیا ہے۔ اور اسے ناٹو کا رکن بھی بنا لیا گیا ہے۔ روس اسے پسند نہیں کرتا۔ چنانچہ اسے جو مغربی نمائندوں سے بات کرنے کا موقع ملا۔ تو اس نے یہی کوشش کی کہ ناٹو کی دفاعی تنظیم ختم نہ ہو سکے تو اسے کالعدم ضرور کر دی جائے۔ اس نے تجویز یہ پیش کی کہ تمام یورپ کی ایک عمومی دفاع تیار کی جائے۔ جس میں امریکہ بھی شریک ہو۔ اس نے جرمنی کی وحدت کے اہم مسئلہ کو یورپی تحفظ سے الگ کر کے یہ رویہ اختیار کیا کہ وہ مشرقی اور مغربی جرمنی والے آپس میں طے کریں۔ حالانکہ یورپی تحفظ کا دارومدار جرمنی پر ہے۔ اقوام مغرب نے اس کے برعکس یہ پیشکش کی کہ وہ یہ ضمانت دینے کے لئے تیار ہیں کہ مسلح اور متحد جرمنی جارحیت کا مرتکب نہیں ہو سکیگا۔ انہوں نے جرمنی کو متحد کرنے کے لئے یہ تجویز پیش کی کہ آئندہ سال دونوں حصوں میں انتخابات کرائے جائیں۔ اور اس کے مطابق ان کو متحد کیا جائے لیکن روس اس کے لئے تیار نہ ہوا۔ کانفرنس کے خاتمہ پر تین مغربی وزرائے خارجہ نے جو علیحدہ بیان دیا۔ اس میں انہوں نے کہا کہ روسی وزیر خارجہ مسٹر مالوٹوف نے وحدت جرمنی کو منظور کرنے ہی سے انکار کر دیا۔ کیونکہ اس سے کمیونسٹ مشرقی جرمنی کا خاتمہ ہو جاتا تھا البتہ انہوں نے ایسی تجاویز پیش کیں۔ جن سے جرمنی کی تقسیم مستقل ہو جاتی اور مغربی دفاعی سلسلہ باطل ہو جاتا۔

دوسرا مسئلہ تحدید اسلحہ کا تھا جیسا کہ معلوم ہے کہ یہ مسئلہ دس سال سے دونوں گروہوں کے نمائندوں کے مابین زیر بحث چلا آ رہا ہے۔ اور فریقین اس حد تک اپنے اپنے مطالبات پر مصر رہے کہ اس کا کچھ نتیجہ نہ نکل سکا۔ اب ایک حد تک غلط فہمی پیدا ہو گئی تھی کہ چوٹی کی کانفرنس نے جو "روح جنیوا" پیدا کی ہے۔ وہ اس مسئلہ کو ٹھکانے لگا دے گی۔ لیکن بقول غالب "یہ نعرہ بھی حریف دم افعی نہ ہوا" جنیوا میں صدر آئزن ہاور کی یہ تجویز خصوصیت سے پیش نظر رہی کہ دونوں طرفوں کے جنگی مقامات کا معائنہ کیا جائے۔ اور عسکری تیاریوں کی بروقت اطلاع بہم کر لی جائے۔ لمبی چوڑی بحثوں اور جوابی تجویزوں کے باوجود معاملہ وہیں تک پہنچا جہاں کانفرنس سے پیشتر تھا۔ روس اپنے اس موقف کو چھوڑنے کے لئے تیار نہ ہوا کہ ایٹمی اسلحہ کو فی الفور ممنوع قرار دیا جائے۔ اور غیر ایٹمی اسلحہ

(باقی صفحہ ۴۰ پر)

عالم اسلامی

بغداد کونسل کا اجلاس بالآخر شروع ہو گیا ہے۔

معاہدہ بغداد کو ایک زندہ حقیقت بنانے کے لئے یہ پہلا اہم قدم ہے۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ اس کے فیصلے کیا ہوں گے لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اگر اسے مؤثر دفاعی تنظیم نہ بنایا گیا۔ تو اس کا مقصد فوت ہو جائے گا۔ اور ساری محنت اکارت جائے گی۔ وزیر اعظم پاکستان نے بغداد جانے سے دو ایک روز پیشتر ایک بیان میں فرمایا کہ معاہدہ بغداد کو مؤثر بنانے کے لئے ضروری ہے کہ اسے مناسب فوجی امداد دی جائے۔ اور یہ اس وقت تک شاید ممکن نہیں ہوگا جب تک کہ امریکہ اس معاہدہ کا رکن نہیں بن جاتا۔ انھوں نے یہ بھی فرمایا کہ وہ کونسل میں ان امور پر زور دیں گے۔ امریکہ ابھی تک معاہدے میں شریک نہیں ہوا گو اس کی ہمدردی اس کے ساتھ ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کونسل کے فیصلے پر اس کی شرکت کا راستہ صاف ہو جائے۔ وہ اس میں فوری طور پر شریک نہ بھی ہو تو بالآخر وہ شریک ہو کے رہے گا۔ اگر وہ فوری طور پر شریک نہ ہوا تو اسے اس کا انتظام کرنا ہوگا کہ مجوزہ تنظیم ایک فعال تنظیم بن سکے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فوجی تیاری کے ساتھ ساتھ کونسل معاشی امداد و ترقی کا بھی کوئی منصوبہ تیار کرے۔ کیونکہ معاشی بہبود کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ ممالک متعلقہ جوں جوں معاشی اعتبار سے آسودہ ہوتے جائیں گے۔ اشتراکیت سے دور بھی ہوتے جائیں گے۔ اور زیادہ سے زیادہ فوجی ذمہ داری قبول کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔ بغداد کونسل کی تیاریوں کے سلسلہ میں اس واقعہ کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ گذشتہ ہفتے وزیر اعظم ایران حسین علاء پر قاتلانہ حملہ کیا گیا۔ انھیں معمولی سا زخم آیا اور خوش قسمتی سے بچ گئے۔ اس حملہ کی وجہ پوری طرح معلوم نہیں ہو سکی۔ لیکن اسے معاہدہ بغداد سے متعلق کئے بغیر نہیں رہا جا سکتا۔ جناب حسین علاء اس ایرانی وفد کے قائد ہیں جو بغداد کونسل کے اجلاس میں شریک ہو رہا ہے۔ وہ اس حملے کے باوجود کونسل میں شریک ہو گئے ہیں۔ اس شرکت سے باز رکھنے کے لئے ان پر حملہ بالکل قابل فہم ہے۔ کیونکہ ایران میں اشتراکی عناصر خاص سرگرم ہیں۔ جو معاہدہ بغداد کو روسی مفاد کے منافی سمجھتے ہیں۔ اس سے معاہدہ مذکور کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

اسرائیل کا مسئلہ ایک نئے دور میں داخل ہوتا نظر آتا ہے۔ مصر نے اسرائیلی جارحیت سے بچنے کے لئے اقوام مغرب سے اسلحہ خریدنے کی کوشش میں ناکام ہو کر روس اور روسی حلقہ بگوش سے اسلحہ خریدنے کی جو طرح ڈالی ہے تو یہودی امریکہ پر دباؤ ڈال رہے ہیں کہ انھیں مزید اسلحہ مہیا کیا جائے امریکہ اور برطانیہ یہودیوں کی ہمدردی سے تو دستکش نہیں ہو سکتے۔ لیکن بحالات موجودہ ان کو زیادہ اسلحہ بھی مہیا کرنا نہیں چاہتے۔ کیونکہ اس سے ایک تو عرب جو پہلے ہی ناراض ہیں اور ناراض ہو جائیں گے دوسرے یہودیوں اور عربوں میں جنگ کا خطرہ یقینی ہو جائے گا اس صورت حال کے پیش نظر ایک طرف اقوام متحدہ مصالحت کے لئے کوشاں ہے۔ دوسری طرف وزیر اعظم برطانیہ نے مصالحت کی پیشکش کی ہے اور تیسرے مارشل ٹیٹو کو مسٹر ڈلس نے آمادہ کیا ہے کہ وہ جنرل ناصر سے اس سلسلہ میں ملاقات کریں۔ عرب لیگ نے مصالحت کی ان مساعی پر غور و خوض کیا ہے اور اس نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ وہ مناسب تجاویز کا جائزہ لے گی۔ اور تمام ارکان عرب ممالک یہودیوں کے بارے میں مشترکہ پالیسی اختیار کریں گے۔ یہ پہلا موقعہ ہے کہ عرب لیگ نے یہودیوں سے مفاہمت پر آمادگی کا اظہار کیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اسرائیلی حکومت کی موجودگی کو مان لیں گے بشرطیکہ ان کے دیگر مطالبات منظور کر لئے جائیں۔ ایک انھوں نے بالعموم اس پر زور دیا ہے کہ یہودی ان حدود کو قبول کر لیں جو ان کے لئے اقوام متحدہ نے سنہ ۱۹۴۹ء میں متعین کی تھیں اس وقت یہودی ان حدود سے کافی تجاوز کر چکے ہیں۔ دوسرے ان کا مطالبہ یہ ہے کہ فلسطینی عرب مہاجرین کو پھر سے اپنے گھروں میں آباد ہونے کی اجازت دی جائے۔ اور ان کے نقصان کا معاوضہ دیا جائے۔ یہ مہاجر کم و بیش دس لاکھ کی تعداد میں ہیں اور وہ ناگفتہ بہ حالات میں رہ رہے ہیں۔ آج تک ان کی بحالی کا کوئی خاطر خواہ انتظام نہیں ہو سکا۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اقوام متحدہ یا امریکہ اور برطانیہ یہودیوں کو ان مطالبات پر رضامند کر لیں گے لیکن اگر وہ ایسا نہ کر سکے تو عرب صلح پر راضی نہیں ہو سکیں گے اور اسلحہ کی جو دوڑ مشرق وسطیٰ میں شروع ہو چکی ہے اس کے نتائج خطرناک ہوں گے۔

بین الاقوامی جائزہ

(صفحہ ۱۴ سے آگے)

میں ایک تہائی تخفیف کر دی جائے۔ اور پھر بات کو آگے بڑھایا جائے۔ چنانچہ اس مسئلہ پر بھی کہیں اتفاق رائے نہ ہو سکا۔

تیسرا مسئلہ باہمی روابط کا تھا۔ اقوام مغرب کی کوشش یہ تھی کہ روس نے جو آہنی پردہ ڈال رکھا ہے۔ وہ اٹھا دیا جائے اور دونوں طرفوں کے باشندوں کو زیادہ سے زیادہ ملنے جلنے کے مواقع بہم پہنچائے جائیں۔ انھوں نے یہ تجویز بھی پیش کی کہ دونوں کے مراکز اطلاعات ایک دوسرے کے علاقہ میں کھولے جائیں اور اخبارات و رسائل کو بھی آنے جانے کی اجازت دی جائے، روس انھیں کسی طرح قبول نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے اس بناء پر ان تجاویز کو رد کر دیا۔ کہ اقوام مغرب کے مراکز اطلاعات اس کے ہاں جاسوسی کریں گے۔ اس نے البتہ اس پر زور لگایا کہ روس سے تجارت پر جو پابندیاں لگائی گئی ہیں۔ وہ ہٹا دی جائیں۔ اور تجارت کو بڑھایا جائے۔ چنانچہ اس پر بھی کہیں اتفاق رائے نہ ہو سکا۔

کانفرنس کے خاتمہ پر جو اعلامیہ شائع کیا گیا ہے۔ وہ بہت مختصر ہے۔ اس میں اتفاق کا ذکر کیا گیا ہے جو وزرائے خارجہ کے مابین پایا جاتا ہے۔ یعنی یہ کہ وہ اپنے اپنے رہنمایان مملکت کو مذاکرات کے نتائج سے باخبر کریں گے۔ اور اس کی سفارش کریں گے کہ آئندہ سفارتی ذرائع سے ان امور کا تصفیہ کیا جائے۔ گویا ناکامی اتنی مکمل ہے کہ نہ رہنمایان مملکت کی ملاقات کی ضرورت باقی رہتی ہے۔ نہ ... نمائندوں کی یہ ناکامی چنداں حیران کن نہیں۔ حیرانی کی اصل وجہ یہ تھی کہ اساسی اور شدید ترین اختلافات کے باوجود یہ مذاکرات ہوئے یہ کسی تبدیلیٔ ذہنیت کے آئینہ دار نہیں تھے۔ بلکہ ایٹمی آلات تباہی و ہلاکت کے پیدا کردہ خوف کے مرہون منت تھے۔ دیکھنا یہ ہے کہ خوف کی بنا پر امن کی حفاظت کب تک برقرار رہتی ہے۔ صحیح امن کی ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ ہے۔ "حتیٰ یکون الدین کلہ للّٰہ"۔ یہ منزل ابھی دور ہے۔ اور نہ جانے انسان کو اس تک پہنچنے کے لئے کن کن انقلابات سے گزرنا ہوگا۔

تفسیر بیان القرآن

قرآن پاک کا متن مع اردو ترجمہ بین السطور از
حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی
حاشیے پر
تفسیر بیان القرآن و مسائل السلوک
عکسی بلاکوں کے ساتھ بارہ جلدوں میں چھپ رہی ہے
چھ جلدیں تیار ہو گئی ہیں
نمونہ کے صفحے مفت طلب فرمائیے
تاج کمپنی لمیٹڈ۔ پوسٹ بکس ۵۳۰ کراچی

شیروانی
ہی واحد قومی لباس ہے
رشید ٹیلرنگ فرم
۲۵ آرٹلری میدان — کوی روڈ — صدر کراچی

سو میں ننانوے
جو اشخاص ریاح یا سوء ہضم یا تبخیر معدہ (معدہ میں گیس پیدا ہونا) کے مریض ہیں۔ پاخانہ صاف نہ ہونا۔ تمام جسم میں درد۔ سر میں چکر۔ بھوک غائب۔ ہاضمہ خراب۔ طبیعت میں بے چینی۔ سینے میں جلن، خون میں کمی، نزلہ زکام اس مرض کی عام شکایات ہیں۔ اس مرض کا
حب باسوری اور جوہر ہضم (کمل کورس)
سے زیادہ زود اثر کوئی دوسرا علاج نہیں۔ یہ تمام شکایات کو دور کر کے تندرستی اور توانائی بخشتا ہے۔ قیمت مکمل کورس تین روپے آٹھ آنے
طبی و علمی ماہنامہ ہمدرد صحت کراچی۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ بھیج کر خریدار بنیے۔
دردمند دواخانہ۔ فریر روڈ۔ کراچی
فون نمبر ۳۵۰۴۲۱

اعجاز القرآن

از علامہ تمنا عمادی مدظلہ

جس میں مختلف جہات سے قرآن کے اعجاز پر روشنی ڈالی گئی ھے۔ اس کی چند اقساط ماہوار طلوع اسلام میں آپ ملاحظہ فرماچکے ھیں۔ ناظرین کے مسلسل اصرار پر اب اسے کتابی شکل میں شائع کیا گیا ھے۔

جن حضرات کی رقم ادارہ کے پاس جمع ھے انہیں آرڈر دینے کی ضرورت نہیں ان کی خدمت میں یہ کتاب نومبر کے پہلے ہفتہ میں خود بھیجدی جائیگی۔ البتہ ان میں سے جو حضرات یہ کتاب نہ منگانا چاھیں وہ ۲۹ نومبر سنہ ۱۹۵۵ء تک مطلع فرمادیں۔

سائز ۲۰×۳۰/۸ ضخامت ۱۱۲ صفحات

قیمت غیر مجلد ایک روپیہ آٹھ آنے علاوہ محصول ڈاک

تاریخ الامت

علامہ اسلم جیراجپوری مدظلہ کی تاریخ کی وہ بے مثل کتاب جو تقسیم سے پہلے بیشتر درسگاھوں میں بطور نصاب شامل تھی۔ اب مولف کی اجازت سے طلوع اسلام نے اسے دوبارہ چھاپا ھے۔

قیمت حصہ اول (سیرت رسول اللہ صلعم)
دو روپے۔

قیمت حصہ دوم (خلافت راشدہ)
دو روپے آٹھ آنے۔

کتاب آٹھ حصوں پر مشتمل ھے۔ باقی حصے عنقریب شائع ھو جائینگے۔

ابلیس و آدم

سب سے پہلا انسان کس طرح معرض وجود میں آیا؟ آدم اور خلافت آدم کا مفہوم کیا ھے۔ ابلیس" کیا ھے اور آویزش ابلیس و آدم کیا؟ وحی کیا ھے اور وحی نے انسان کو کیا عطا کیا؟ ان سوالات کے قرآنی جوابات اس کتاب میں دیکھئے۔

صفحات ۳۷۶ قیمت آٹھ روپے

اقبال اور قرآن

اقبال نے قرآنی انقلاب کی آواز سے فضا کو معمور کیا۔

قرآن کیا کہتا ھے اور اقبال کا پیغام کیا ھے؟

ان کے جوابات مفسر قرآن اور ترجمان اقبال پرویز سے سنئے۔

ضخامت ۲۵۶ صفحات قیت دو روپے

ناظم ادارہ طلوع اسلام۔ پوسٹ بکس نمبر ۷۳۱۳۔ کراچی۔۳

روٹی کا مسئلہ

انسان کے لئے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اس کی اہمیت ہمیشہ سے رہی ہے اور ہمیشہ تک رہیگی۔

آج تک انسان نے اس مسئلہ کو کیسے حل کیا؟ اس کا جواب تلاش کیا جائے تو یہ حقیقت نکھر کر سامنے آجائیگی کہ اس نے بدن کو زندہ رکھنے کیلئے اپنی جان کو رہن رکھدیا۔

اب سوال یہ ہے

کہ کیا تدبیر اختیار کی جائے کہ انسان کا بدن اور اس کی جان دونوں سلامت رہیں؟ اس کے لئے ہمیں قرآن سے رجوع کرنا ہوگا۔

قرآن کا حل

☆ نظام ربوبیت ☆

(از - پرویز)

میں ملیگا جو بلاشبہ دور حاضرہ کی عظیم کتاب ہے۔

قسم اول - کاغذ سفید کرنا فلی - جلد مضبوط مع گرد پوش چھ روپے -

قسم دوم - کاغذ میکانیکل - صرف ڈسٹ کور کے ساتھ چار روپے -

ناظم ادارہ طلوع اسلام - پوسٹ بکس نمبر ۳۱۳۷ - کراچی-۳

Title Printed at Mueid Art Press, Thathai Compound, Bunder Road, Karachi. Text at Jawed Press, McLeod Road, Karachi. Published by Khurshid Alam from Tolu-e-Islam Office, 207/A, P. E. C. H. Society, Karachi. Editor: KHURSHID ALAM